خدام الدین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز

نماز اظہار عاجزی و انکساری ہے
اور مالک کی یکتائی اور اس کی عظمت و کبریائی
کا اقرار ہے۔ نماز ستونِ قصرِ ایمان اور توشۂ آخرت
ہے۔ نماز غذائے روح اور تسکینِ قلب کا ساز و برگ ہے
اور ساتھ ساتھ اجتماعی و انفرادی اور اخلاقی و معاشرتی
اصلاحات کا ایک کارگر آلہ ہے۔ نماز کشائشِ رزق
کا سبب، نشاطِ اعضاء اور عذاب سے محفوظ
رکھنے کا ذریعہ ہے۔ نماز سے
تساہل علامتِ منافق، اور
اس کے ترک سے اندیشۂ کفر ہے۔

جنتی اور دوزخی کون؟

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلٰثَةٌ ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ وَاَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ اَلضَّعِيْفُ الَّذِيْ لَا زَبْرَ لَهٗ. اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعٌ لَا يَبْتَغُوْنَ اَهْلًا وَّلَا مَالًا وَالْخَائِنُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى لَهٗ طَمَعٌ وَاِنْ دَقَّ اِلَّا خَانَهٗ. وَرَجُلٌ لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ اِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَذَكَرَ الْبُخْلَ اَوِ الْكَذِبَ وَالشِّنْظِيْرُ الْفَحَّاشُ.

ترجمہ:۔ حضرت عیاضؓ بن حماد سے روایت ہے کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگ جنت والے ہیں (۱) وہ بادشاہ جو عادل صدقہ کرنے والا، بھلائی کرنے والا اور اصلاح کرنے والا ہو۔ (۲) وہ آدمی جو رحم دل ہو اور اہل قرابت نیز مسلمان بھائیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے والا ہو۔ (۳) وہ پرہیزگار جو سوال سے بچنے والا بال بچہ دار ہو۔

پانچ قسم کے لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں (۱) وہ بزدل جس میں کچھ اپنی سمجھ اور سکت ہی نہ ہو (۲) وہ لوگ جو تمہارے مالداروں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ نہ گھر بار بناتے ہیں اور نہ محنت سے روزی کماتے ہیں تیری میری ٹہل میں وقت گذارتے ہیں اور جہاں سے جو ہاتھ لگا حرام ہو یا حلال ہو کھا پی لیتے ہیں۔ (۳) وہ خیانت دار کہ جیسے ذرا بھی موقعہ ملا جھٹ اپنا داؤ کر گیا اور دوسرے کا حق مار لیا۔ (۴) وہ مکار جو صبح وشام اسی دھن میں رہتا ہو کہ دوسرے کے مال اور اولاد میں سے دھوکے اور فریب کے ذریعے کچھ اڑائے (۵) پھر آپ نے بخیل یا جھوٹے اور بدخلق بے حیائی میں مبتلا آدمی کا ذکر کیا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو کیا باتیں اختیار کرنی چاہئیں جن سے وہ جنت کا مستحق ہو اور کون سی باتیں ہیں جو دوزخ میں کھینچ کرلے جائیں گی۔ مختصر یہ کہ جس کے ہاتھ میں سلطنت ہو اسے انصاف کرنا چاہیئے۔ اُسے لازم ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت پوری کرتا رہے اور اصلاح کرنے کی عادت ڈالے عام آدمیوں کو نرم دل اور نیک سلوک کرنے والا، گناہوں سے بچنے والا۔ بھیک مانگنے سے بچنے والا اور بال بچوں کا خیال کرنے والا ہونا چاہیئے مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ بزدل ہو۔ برائی کی طرف پھسل جانے والا ہو۔ مالداروں کی جوتیاں سیدھی کرکے پیٹ پالنے والا ہو۔ کام چور ہو جو گھر بنا کر نہ رہے۔ حرام کاری کرے اور ہر وقت اس فکر میں رہے کہ دوسرے کی چیز پر دھوکہ بازی سے قبضہ جمائے۔ اسی طرح مسلمان کو جھوٹا، بخیل، اکھڑ، بدخلق، فحش باتیں اور فحش کام کرنے والا نہ ہونا چاہیئے۔

جنتی اور دوزخی کی پہچان

عَنْ حَارِثَةَ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ. كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ.

حضرت حارثہؓ بن وہب سے روایت ہے کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ جنت میں جانے والا کون ہے؟ ہر وہ کمزور شخص جس کو لوگ حقیر سمجھیں لیکن اگر وہ اللہ کی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے گا۔ کیا میں تم کو بتا نہ دوں کہ دوزخ میں جانے والا کون ہے؟ ہر وہ شخص جو سخت مزاج، بخیل اکڑ کر چلنے والا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا ہو۔

بھائیو! اگر مسلمان بن کر رہنا ہے اور اسلام کی شان کو قائم رکھنا ہے تو ذرا اس حدیث پر غور کرو۔ غور کرنے سے بآسانی واضح ہو جائے گا کہ اسلام آدمی کو کیا بنانا چاہتا ہے اور اسلام کے اندر اخلاقی قدریں کیا ہیں۔ آج کل کے لوگ جو بنے ٹھنے رہنے والے، بات بات پر بگڑ جانے والے۔ گالیوں کے بغیر بات نہ کرنے والے ہیں۔ وہ کہاں تک مسلمان ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اول تو سمجھ لینا چاہیئے اور اس کے سمجھے بغیر مسلمان بننا مشکل ہے کہ ہماری ساری کوشش دنیا میں فقط اس مقصد کے لیے ہے کہ مرنے کے بعد جنت میں جگہ ملے۔ اور دوزخ سے نجات حاصل ہو۔ اگر یہ مقصد ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں تو ہم کہاں کے مسلمان ہوئے۔

اس کے بعد اس حدیث سے یہ معلوم ہوگا کہ جنت میں وہی شخص جائے گا جو خواہ بظاہر دنیا داروں کی نظر میں کمزور اور بے حیثیت ہے لوگ اس کی ذرا قدر نہیں کرتے لیکن اس کی باطنی حالت اتنی زبردست ہے کہ اگر کسی بات پر اللہ کی قسم کھالے کہ یہ ضرور ہوگی تو اللہ عزوجل اس کی قسم پوری کر دے۔ دوسری طرف دوزخی وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آئے جس کا پیسہ خرچ کرتے ہوئے دم نکلے، جو اکڑتا اتراتا ہوا چلے، جو اپنے آگے کسی کو کچھ نہ گردانے۔ جس نے گھورنے اور دھمکانے کے سوا اور کچھ سیکھا ہی نہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

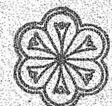
ہفت روزہ
خدّام الدّین
لاہور

جلد ۲۳ شمارہ ۷
۵ شعبان ۱۳۹۷ھ
۲۲ جولائی ۱۹۷۷ء

رئیس الادارۃ:
جانشینِ شیخ التفسیر
حضرت مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر:
حضرت مولانا مفتی محمود

مدیر:
محمد سعید الرحمٰن علوی



فی پرچہ : ایک روپیہ

بھٹو ــ کسی رعایت کے مستحق نہیں

مسٹر بھٹو ولد سر شاہنواز بھٹو ۱۹۵۸ء میں سکندر مرزا جیسے رسوائے زمانہ اور ننگِ دین و وطن کی معرفت پاکستان کے خود غرض، جاہ پرست اور اقتدار کے پجاری حکمرانوں کی صف میں شامل ہوئے۔ درمیانی دور کے ایک مختصر وقفہ کو چھوڑ کر وہ ۱۹۷۷ء تک برسرِ اقتدار رہے۔ درمیانی دور کے اس وقفہ میں ان کی سرگرمیاں ظاہر و باہر مشکوک تھیں۔ اسی دوران انہوں نے "پاکستان پیپلز پارٹی" کی بنیاد رکھی اور "سہ نکاتی" پروگرام کا اعلان کیا۔ یعنی اسلام ہمارا دین، جمہوریت ہماری سیاست اور سوشلزم ہماری معیشت۔ یہ سہ نکاتی پروگرام بے ننگ و نام اور مادر پدر آزاد ٹولے کی ملی بھگت سے مرتّب ہوا۔ جس کے بعض افراد آج اسلام و ملک سے اپنی وفاداری کا راگ الاپ رہے ہیں تو بعض اپنے ہی چیئرمین کے ہاتھوں "گردشِ دوراں" کا شکار ہو چکے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیائے عیسائیت کے "تثلیثی پروگرام" کے بعد یہ پہلا "تثلیثی پروگرام" تھا جس کی پشت پر ملحدانہ ذہنیت کارفرما تھی۔ بعد ازاں اس سہ نکاتی پروگرام میں ایک چوتھے نکتہ کا اضافہ کیا گیا یعنی "طاقت کا سرچشمہ عوام" اور یہ نعرہ بھی پہلے تین نعروں کی طرح اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ طاقت کا سرچشمہ تو ذاتِ خداوندی ہے لیکن یہاں اس بدیہی حقیقت کو نظرانداز کر کے وہ بات کہی گئی جس کا دیانت سے کوئی تعلق نہیں۔

بہرحال اس چار نکاتی پروگرام پر انہوں نے ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں حصّہ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یحییٰ خان کے مجوزہ ضابطہ کے پیشِ نظر وہ اس پروگرام کے پیشِ نظر انتخاب میں حصہ لے ہی نہیں سکتے تھے لیکن بدقسمتی سے نہ تو اس وقت کی حکومت نے توجہ دی اور نہ ہی کسی دوسرے نے اسے توجہ دلائی۔ بالخصوص جو لوگ "نظریۂ پاکستان" کے نام کی دہائی دیتے نہیں تھکتے اور اس بنیاد پر سیاسی مخالفین کو رگیدنے اور گالی دینے سے گریز نہیں کرتے، ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں، اور ان کے قلم ٹوٹ کر رہ گئے۔

انتخاب ہوا تو پنجاب کے عوام نے انہیں اپنا مسیحا سمجھ کر کامیابی سے

ہمکنار کرایا۔ کچھ نشستیں انہیں سندھ سے بھی ملیں اور اس طرح وہ آج کے پاکستان لیکن کل کے مغربی پاکستان کی حد تک اکثریتی پارٹی کے لیڈر قرار پائے۔ اس "کامیابی" نے ان کے دل و دماغ میں ایک ایسا فتور پیدا کر دیا کہ وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ نتیجۃً انہوں نے انتخاب کے حقیقی نتائج کو مسترد کر دیا اور نہ صرف مرحوم مشرقی پاکستان کی قیادت سے اعلان جنگ کر دیا۔ بلکہ مغربی حصہ کے ذمہ دار لیڈروں سے بھی نبرد آزمائی شروع کر دی۔

اس بھیانک صورت حال کا نتیجہ مشرقی پاکستان کے سقوط کی شکل میں سامنے آیا۔ اور ہمیں اپنی تاریخ کے سب سے بڑے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا۔ مشرقی پاکستان کی سرزمین خون مسلم سے تر ہو گئی۔ حوا کی بیٹیوں کی عصمتیں جس بے دردی سے لوٹی گئیں انہیں دیکھ کر ۵۷ء کے خونچکاں واقعات ذہنوں میں ابھر آئے۔ ہماری فوج ۶۵ء کے حالات کے پیش نظر دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکی تھی پوری دنیا میں تنقید و جرح کا نشانہ بنی۔ اس کا امیج تباہ ہوا اور اس کے ہزاروں افراد ایک عرصہ تک قید و بند کی اذیت ناک صعوبتوں سے دوچار رہ کر خاک و خون کو ترسنے لگے۔

جناب بھٹو اس دور کے بعض وڈیرے فوجیوں کی ملی بھگت سے برسر اقتدار آئے۔ تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ایک "تحقیقاتی کمیشن" کا اعلان کیا جس کی سربراہی اس دور میں عدالت عالیہ کے سربراہ جناب حمود الرحمن کے سپرد کی گئی۔ یہ کمیشن کام کرتا رہا۔ لوگوں نے اپنے ملک کے دردناک "حادثۂ قتل" کے سلسلہ میں اس کے سامنے شواہد پیش کئے۔ لیکن اس کی اشاعت اور اس کی سفارشات کے مطابق کوئی اگلا قدم اس لیے نہ اٹھ سکا کہ "فوجی جوان" ہنوز انڈیا کی جیلوں میں تھے۔ اور ان سے پوچھے بغیر یہ رپورٹ نامکمل تھی۔ آخر وہ لوگ بھی آ گئے۔ انہوں نے بھی اپنی داستانِ غم سنائی۔ اس طرح وہ رپورٹ مکمل قرار پائی۔ لیکن قوم کو معلوم نہیں کہ اس رپورٹ میں کیا تھا کیا نہیں تھا اور کون مجرم ہیں اس خونی حادثہ کے!

ظاہر ہے کہ اگر مسٹر بھٹو کا دامن بقول ان کے صاف ہوتا تو وہ اس رپورٹ کی وسیع پیمانے پر اشاعت کرواتے اور اس دور کے وہ نابکار افسران جن کا کام محض بھٹو کی مدح سرائی تھا خوب نمک مرچ لگا کر اس کی تشہیر کرتے لیکن ایسا نہ ہوا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ایک تو دردناک داستان تھی ——— اگلا مرحلہ مرحلہ وہ ہے جو بھٹو صاحب کے حادثاتی اقتدار سے لے کر ۷ مارچ ۷۷ء کے انتخابات اور ۵ جولائی کے انقلاب تک تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ حصہ تاریکی کے اعتبار سے پہلے حصہ سے کم نہیں۔ بھٹو صاحب نے اس ملک سے شرافت کا جنازہ نکالا، اخلاقی قدریں زیر و زبر کیں، اسلامی روایات کا مذاق اڑایا۔ معاشیات کا نظام تہ و بالا کیا۔ انسانیت کے خون سے ہاتھ رنگے جمہوریت کو قتل کیا اور درندگی و بہیمیت کا ہر وہ انداز اختیار کیا کہ ابلیسی طاقتیں بھی سر پیٹ کر رہ گئیں۔

جب یہ سب کچھ واضح ہے تو پھر بھٹو اور اس کے رفقاء کو مری و ایبٹ آباد جیسے صحت افزا مقامات پر رکھنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ان کو فون کی سہولتیں مہیا کرنا تاکہ وہ اپنے لگے بندھوں کو طفل تسلیاں دیتے رہیں۔ (ہمیں معلوم نہیں کہ یہ پیغام صحیح ہیں یا محض گھڑنتو؟) اور دنیائے مساوات کے معلوم الفطرت قلمکار سنسنی خیز سرخیاں جما کر پراگندگی پیدا کرتے رہیں۔ کیسے درست ہے؟

ہم کسی لگی لپٹی رکھے بغیر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ملک کے قتل سے لے کر سیاسی رہنماؤں، ورکروں، نظام شریعت کے مخلص خادموں اور ملک کے سب کچھ کو قتل کرنے اور کروانے والا اس بات کا مستحق ہے کہ اسے عدالت کے کٹہرے میں لائیں، اس کی بدعملیوں کا حساب لیں اور جس درجہ کا وہ مجرم ہو اس کے مطابق اسے سزا دی جائے۔

ہم ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں کہتے کہ بھٹو اور اس کے حواریوں کو گولی مار دیں یا انہیں ملک بدر کر دیں یا انہیں ہمیشہ کے لیے جیل میں ڈال دیں۔ لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ان کے "اعمال" کی اعلیٰ پیمانہ پر تحقیق کر کے دنیا کو بتائیں کہ یہ شخص فلاں فلاں "جرم" کا مرتکب تھا اور اس کے ان جرائم پہ یہ سزا دی جا رہی ہے؟

اگر ایسا نہ ہوا تو عوام کے لیے پریشانی کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا اور وہ ملک و ملت کی قسمت سے

پھیلنے والوں کے معاملہ میں "غفلت و خاموشی" کو شدت سے محسوس کریں گے۔

کس قدر مقام تاسف ہے کہ ملک کی تیس سالہ تاریخ میں ملک و ملت کو ایسے ایسے حوادث سے دوچار ہونا پڑا! جس کی مثال شاید ہی دنیا کی تاریخ میں مل سکے لیکن جو جوان حوادث کا باعث بنے وہ اسی طرح دندناتے رہے۔ اور کسی نے ان سے نہ پوچھا کہ تم نے یہ ستم کیوں ڈھایا؟

یہ سطور لکھی جا رہی تھیں کہ اخبارات کے ذریعہ جنرل ضیاء الحق کا وہ انٹرویو نظر سے گزرا جس میں موصوف نے "بھٹو کی عظمت" کو واضح لفظوں میں اقرار کیا ہے۔ اور انتخابات میں ہونے والی دھاندلی سے انہیں بری الذمہ قرار دیا ہے۔

یقین کریں کہ مسٹر ضیاء کے یہ خیالات ان لاتعداد شہداءِ اسلام کی ارواح مقدسہ کو رنج پہنچانے کے مترادف ہیں۔ جنہوں نے حالیہ تحریک میں "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" کا مظاہرہ کر کے جریدۂ عالم پر اپنا نام ثبت کروا دیا ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے امیر اور ہفت روزہ خدام الدین کے مدیر مسئول حضرت مولانا عبید اللہ انور کا یہ ارشاد کتنا مبنی برحق ہے کہ موصوف نے یہ بات کہہ کر فوج کے تازہ "امیج" کو متاثر کیا ہے؟ عظمت کی بات واضح ہے اور دھاندلی کو جھٹلانا ناممکن!

سابقہ الیکشن کمیشن نے چند حلقوں کی تحقیق کے بعد جو نتائج پیش کئے کیا وہ دھاندلی کا منہ بولتا ثبوت نہیں؟ اور کیا قوم کی فقید المثال تحریک جس کو جناب ضیاء نے پہلی تقریر میں سراہا اس دھاندلی کے خلاف نہ تھی؟

بہرحال

ہم اس نازک موڑ پر فوجی حکمرانوں سے گزارش کریں گے کہ آپ ہر قدم پھونک کر اٹھائیں اور ہر بول بولنے سے پہلے تول لیں۔ آپ اخباری دنیا کو کہہ چکے ہیں کہ "مجرموں" کو "ہیرو" نہ بنائیں۔ تو یہ جو آپ نے فرمایا، کیا ہے؟

ملک و ملت کی سلامتی، استحکام اور اسلامی نظام کا قیام آج کے دور کی اشد ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں عبوری طور پر آپ سب سے زیادہ ذمہ داریوں کا شکار ہیں۔ ان ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بھٹو کو عدالت کے کٹہرے میں لانا اشد ضروری ہے۔

امید ہے کہ ہماری گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا۔

علف ۷ رجب ۹۷

یاد رکھو!

زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

* ایمان اور عمل صالح ہی سب سے بڑی دولت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔
* ایمان کے بغیر دولت و اقتدار اور عزت و راحت سب فضول اور عارضی چیزیں ہیں۔
* دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات حاصل کرنے کے لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کرو۔
* سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر قرآنی حقائق اور ذاتِ الٰہی کی معرفت حاصل
* پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور باغیوں کو خدائے ذوالجلال کے دامن رحمت میں کبھی پناہ نہیں ملے گی۔

مسلمان کو ہر حال اور زندگی کے ہر گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع لازم ہے۔

(حاصل از تعلیمات حضرت لاہوریؒ)

مرسلہ: رستم علی ناصر ۳۴۳۔ الفلاح لاہور

---

* اے انسان! اگر تو معبودِ حقیقی کی بندگی نہیں کرنا چاہتا تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی استعمال نہ کر۔ (حضرت عثمانؓ)
* امید نہ رکھ کسی سے مگر اپنے رب سے اور نہ ڈر کسی سے مگر اپنے گناہ سے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھنا افضل ترین ایمان ہے۔
* تلوار کا وار جسم کو زخمی کرتا ہے لیکن بری بات روح کو گھائل کرتی ہے۔ (حضرت عثمانؓ)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ

ارباب اقتدار کے وعدے



جس وقت کا کھٹکا تھا وہ وقت آگیا۔ آخر قدرت کاملہ نے اسلام پر کفر کے غالب ہونے کی وجوہات بتائی تھیں ایک ایک کر کے سب پوری ہو رہی ہیں۔ اربابِ اقتدار ہم سے مداہنت کے خواہش مند ہیں اور ہم ان کی غرض پوری کرتے ہیں۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں، حلف اٹھاتے ہیں، قانون بناتے ہیں، مذہبی احترام کا پیغام سناتے ہیں۔ کہ عبادت گاہیں قائم رہیں گی۔ عبادتیں قائم رہیں گی، شعائر اللہ قائم رہیں گے۔ مگر کوئی ایک چیز بھی قائم نہیں رہنے پائی۔ قول و اقرار کرتے ہیں۔ ہر بار اس کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور ہر موقع پر اس کو یاد دلاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ وفا ہونے والے نہیں۔ یہ عہد ٹوٹنے کے لیے باندھے گئے ہیں۔ یہ قانون نسخ و ترمیم کے لیے بنائے۔ یہ اعلان اخفاءِ حقیقت کے لیے ہوا ہے ان اقرار سے ضرورت کے وقت انکار کی ادائیں بھی نکل سکتی ہیں سب کچھ ہے مگر اس پر بھی ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں، ان کی بات مانتے ہیں، ان کا حکم مانتے ہیں۔ ان کی اطاعت کرتے ہیں، ان کی خاطر سے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ واقعات و حوادث کی جو لوگ صریح تکذیب کرتے ہیں۔ منع خیر پر آمادہ ہوں، تعدی و تطاول میں حد سے بڑھ گئے ہوں، احکام اسلام کو پرانے ڈھکوسلے سمجھ رہے ہوں کہ تمام دنیا پر انہی کا تسلط بیٹھ جائے، سارا زمانہ انہی کا حلقہ بگوش رہے اور تسلط و اقتدار کے دائرے سے کوئی غریب مسکین آبادی بھی مستثنیٰ نہ رہنے پائے۔ ایسے لوگوں کی اطاعت ممنوع ہے۔ اور اگر ہم خود اس حکم کی اطاعت کریں گے تو ہمارا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو ان سرکشوں کا ہوگا۔

خطرات فراہم ہو رہے ہیں، دل بندھ رہا ہے۔ گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ مطلع مکدر ہے۔ کڑک اور کوندے کی پیشین گوئی سننے والے کان بہرے ہوگئے ہیں۔ طوفانِ احساس کو روکنے کے لیے آگ اور تلوار سے بند باندھے جا رہے ہیں۔ جذبات کا اظہار معصیت ہے، جرم ہے، گناہ ہے۔ اکبر الکبائر ہے وہ پاک ہستیاں، محل نقد میں کیوں کر آسکتی ہیں جن کے رنگ و روغن خون میں نہا نہا کر نکھرے ہیں وہ جو کہیں حق ہے جو کریں عدل ہے۔

آنے والی خطرناک گھڑی کی ساعتیں کھل چکی ہیں۔ بصارتیں جھک گئی ہیں۔ اب چہروں پر ذلت کا چھا رہنا باقی ہے۔ سن لیجیو کہ وہ بھی مساوات ہو گئی) یہ کوئی فرض و حدس یا ظن و تخمین کی باتیں نہیں ہیں۔ ان کی پیش خبری خود کلام الٰہی میں موجود ہے۔ سورۂ قلم میں ہے:۔

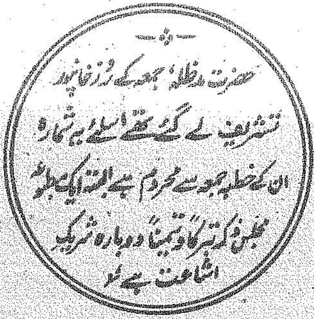
"عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور یہ کفار بھی دیکھ لیں گے کہ تم دونوں فریقوں میں کون سا فریق مضبوط ہے بے شک تمہارا پروردگار ہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو راہِ راست پر ہیں۔"

تم جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا۔ نہ ان کے کہنے میں آجانا وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم مداہنت کرو اور ڈھیل دو تو وہ بھی ملائم پڑ جائیں۔ خبردار تم کسی ایسے کی اطاعت نہ کرنا نہ ان کی بات ماننا جو بہت ساری قسمیں کھاتا ہے۔ آبرو باختہ ہے، لوگوں پر آوازے کستا ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، اچھے کاموں سے لوگوں کو روکتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے اکھڑ ہے اور ان عیوب کے علاوہ بداصل بھی ہے۔ اس بنا پر کہ وہ مال اور اولاد والا ہے۔ جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اچھا دیکھو تو ہم عنقریب اس کے ناک پر داغ لگائیں گے۔

مجلسِ ذکر

تحفۂ معراج نماز

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن



محترم حضرات! حضرات اکابر سلسلہ قادریہ راشدیہ نے بھی دوسرے سلاسل کے بزرگوں کی طرح ذکر و فکر کا سلسلہ قائم رکھا ہے البتہ، کہ

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

کے مصداق انداز مختلف ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں بس اتنی سی ضرورت ہے کہ قرآن و سنت ہر حال میں پیشِ نظر رہیں کیونکہ ان ہدایت کے سرچشموں کو چھوڑ کر کوئی بھی عمل چاہے وہ اپنے طور پر کتنا ہی بڑا ہو اللہ کے یہاں پرِکاہ کے برابر نہیں۔

بہرحال حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی طرح یہ سلسلہ شروع فرمایا اور ذکر کے بعد آپ مختصراً چند کلماتِ نصیحت ارشاد فرما دیتے۔ اسی طرح ہم بھی اس طریق کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت فرمائے۔

اس مجلس میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ آج کی صحبت میں "نماز" سے متعلق چند باتیں عرض کرنا ہیں۔ اور اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ ماہ رجب کے آخری ہفتہ میں ایک مقدس رات آتی ہے (۲۷ ویں شب) جس میں حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا جس کو واقعہ معراج کہا جاتا ہے۔

اس واقعہ کی تفصیلات آپ نے بارہا مرتبہ سنی ہوگی۔ مجھے وہ تفصیلات عرض نہیں کرنا بلکہ اس رات ملنے والے تحفہ سے متعلق چند باتیں عرض کرنا ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ اس رات حضور علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے پچاس نمازوں کا تحفہ بغیر کسی واسطہ کے ملا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کہنے پر حضور علیہ السلام لوٹ لوٹ کر اپنے مالک کے دربار میں گئے اور معافی ہوتے ہوتے صرف پانچ نمازیں رہ گئیں لیکن رحیم و کریم خدا نے فرما دیا کہ اجر و ثواب پچاس کا ہی ہوگا پڑھو پانچ۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خدا کی واحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کا دم بھرنے والے اس "تحفہ معراج" کے معاملہ میں شرمناک قسم کے طرزِ عمل کا شکار ہیں آج مسلم معاشرہ کا جائزہ لیں کہ کتنے فیصد ہیں جو اس فریضہ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں؟

حالانکہ ایک طرف حضور علیہ السلام نے اس فریضہ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، مومن کی معراج، دین کی ایسی بنیاد جس کے قیام پر دین قائم ہے فرمایا تو دوسری طرف اس کے ترک کو باعثِ کفر قرار دیا۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ اسی لیے تو چاروں ائمہ کے نزدیک ترکِ صلوٰۃ کی سزائیں بڑی شدید ہیں یعنی ہمارے امام محترم کے نزدیک دائمی قید اور باقی بزرگوں کے نزدیک قتل!

حضور علیہ السلام نے تارکِ صلوٰۃ کے اخروی انجام کے متعلق فرمایا۔ کہ وہ دنیاءِ کفر کے بڑے بڑے ستونوں یعنی فرعون، قارون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ اٹھے گا۔ (عیاذاً باللہ)

اندازہ لگائیں کتنا اہتمام ہے نماز کا اور کتنی وعیدیں ہیں اس کے ترک پر۔

قرآن میں دیکھیں تو اس میں جا بجا آپ کو اس

فرض کے متعلق احکام ملیں گے لیکن بدقسمتی سے مسلمان کو کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ واقعہ معراج پہ کئی دن محافل و مجالس کا بازار گرم رہتا ہے بڑے اہتمام کے ساتھ گلے کی صفائی کا سامان پیدا کیا جاتا ہے اور پھر سنانے والے اور سننے والے جھوم جھوم کر یادِ معراج مناتے ہیں لیکن جو مقدس و عظیم فرض خدائے برتر و توانا نے براہ راست اپنے نبی کو ارشاد فرمایا۔ اس کی کسی کو فکر نہیں۔

حضور علیہ السلام کی رحمۃ اللعالمینی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ نے معراج کا شرف حاصل کیا تو امت کے لیے بھی اہتمام کیا اور نماز کو اس کی معراج قرار دے دیا۔ اور فرما دیا کہ بندہ سجدہ میں اپنے خدا کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

لیکن وائے افسوس کہ یہاں نہ تو قربِ خداوندی کی ضرورت ہے نہ اس شرف و مجد کی ضرورت ہے جو نماز کو معراج کہنے میں مضمر ہے اور اس کے باوجود بھی مسلمان ہونے کے مدعی! عشقِ رسولؐ کا دعویٰ اور نہ معلوم کیا کیا دعوے ہیں۔

محترم حضرات! یہ فرض ایک ایسا فرض ہے کہ بیمار، تندرست، مقیم، مسافر ہر ایک پر ہر جگہ اور ہر وقت لازم ہے حتیٰ کہ عین میدانِ جہاد میں جب دشمن سے برسرِ پیکار ہوں۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہو جب بھی نماز معاف نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وضو کی جگہ تیمم، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھ کر نماز پڑھنے، رکوع سجود کی جگہ اشارے جیسی رعایتیں تو دے دیں لیکن معاف نہیں لیکن ایک آج کا مسلمان ہے کہ پانچ وقت اس کے کان میں حیَّ علی الصلوٰۃ حیَّ علی الفلاح کی آواز پڑتی ہے۔ لیکن وہ یہ آوازیں سن کر یوں گزر جاتا ہے گویا سنا ہی نہیں۔

آپ بتلائیں کہ اس شخص سے بڑھ کر کون بدبخت ہوگا جسے اللہ کا منادی "فلاح" کی طرف بلائے لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگے۔

محترم حضرات! ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ روزِ محشر جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا کوئی برادری، رشتہ داری، مال و دولت، اقتدار و حشمت کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ وہاں سب سے پہلے جو پرچہ ہوگا وہ نماز کا پرچہ ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلیں پرسشِ نماز بود

اگر خدانخواستہ پہلا پرچہ ہی غلط ہوگیا، اسی میں ناکامی ہوگئی تو انجام کیا ہوگا؟

اس کو آج ہی سوچ لینا بہتر ہے۔

نماز میں جہاں عقبیٰ کی بھلائیاں ہیں وہاں اس میں طہارت و پاکیزگی، ڈسپلن، اطاعت امیر، وقت کی پابندی، صف بندی، جیسے دسیوں فوائد موجود ہیں

آج کل قومی مسائل کا رونا عام ہے۔ وقت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، نظم و ڈسپلن کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں ہر مسئلہ اسی طریق سے حل ہوگا جو طریق اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر پیغمبر دو عالم علیہ السلام نے ہمیں بتلایا۔

بہرحال بات لمبی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور پوری امت مسلمہ کو اس عظیم "تحفہ" کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے کہ اسی میں مومن کی معراج ہے ؎

آقا تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

پروفیسر ظفر اقبال قانی

شاہ ولی اللہؒ اور قرآنی تعلیمات

الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ حق ہمیشہ غالب رہتا ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ اسلام دین حق ہے۔ جو اپنی حقانیت کو خود ہی منواتا ہے۔ اس حقیقت کو چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لیے مسبب الاسباب خود ہی اسباب پیدا فرماتا ہے اور ایسے نفوس قدسیہ کو بھیجتا رہتا ہے جو تمام عالم پر محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام کے لائے ہوئے دین کو تمام انسانیت کے لیے ضابطہ حیات کی حیثیت سے اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ زبان بے ساختہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ مستانہ آجاتا ہے۔ اور دل خدائے ذوالجلال کی حاکمیت اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہتا۔

عقل پرستی اور مادیت کے اس دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات اسلام کی حقانیت کو سمجھنے کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ انہوں نے اسلام کی فلاسفی کو جس انداز میں پیش کیا ہے اسے پڑھنے کے بعد ہر سلیم الفطرت انسان اسلام کو تمام عالم کے مسائل کا واحد حل گردانے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ایسے دور میں آنکھ کھولی جب برصغیر پاک وہند میں مغل سلطنت روبہ زوال تھی۔ ملک طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ شاہ صاحب نے دس مغل بادشاہوں کا دور دیکھا اور ان کے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ ادھر امراء وزراء کی یہ حالت تھی تو دوسری طرف عوام جاہل پیروں اور علماء سوء کے پھندے میں جکڑے ہوئے تھے۔ اسلام کے نام پر ہر رسم کو حکم دین کا درجہ دیا جا رہا تھا۔ لوگ حق سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ جو حق پر چلنے کے دعویدار تھے ان کا دین بھی چند رسوم کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ امراء وزراء کی عیش کوشیوں اور علماء سوء اور جاہل پیروں کی چیرہ دستیوں سے تمدن کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ امن وآشتی عنقا ہو چکی تھی۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ نے مشعل قرآن کو فروزاں کرنے کا عزم بالجزم کیا اور لوگوں کو اسلام کی حقانیت کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی۔ ان کی ژرف بین نگاہوں نے مسلمانوں کی گمراہی کے اسباب کا جائزہ لیا تو ان کی فکر عمیق اس مقام پر پہنچی کہ مسلمانوں کی ضلالت کا اصل سبب قرآن وسنت سے دوری اور ناواقفی ہے۔ قرآن کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے انہوں نے متعدد کام کیے۔ انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ اس وقت کی مروجہ زبان فارسی میں کیا۔ تاکہ عوام قرآن کے مفہوم سے آشنا ہوں۔ جس کے نتیجے میں ان پر حق واضح ہو سکے اور وہ حق وباطل میں تمیز کرنے کے قابل ہو سکیں۔ جب شاہ صاحب نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تو علماء سوء نے اس کی مخالفت کی اور قرآن کے ترجمہ کرنے کو دین کے خلاف سازش قرار دیا۔ شاہ صاحبؒ کو ہر طرح سے اذیتیں پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر اس مرد حق نے کسی بات کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان کی مخالفت کو پرکاہ کے بھی برابر نہ سمجھا اور اپنا کام جاری رکھا۔

تفہیم قرآن کے لیے شاہ صاحب نے عام لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن وسنت کو اصل سمجھیں اور اسے مضبوطی سے تھامیں۔ قرآن سنت پر غور وخوض کریں۔ قرآن وحدیث میں سے کچھ نہ کچھ روزانہ پڑھیں۔ اور اگر پڑھنا نہ جانتے ہوں تو اس کا ترجمہ روزانہ سنیں۔ اس سلسلے میں ان کی وصیت وصایا اربعہ میں وصیت ۱ میں یوں درج ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"اس فقیر کی پہلی وصیت ہے کہ اعتقاد "عمل" بالکتاب (قرآن حکیم) اور سنت پر مضبوطی سے قائم رہے اور ہمیشہ ان دونوں میں غور وفکر کرنے اور دونوں میں سے کچھ نہ کچھ روزانہ پڑھتا رہے اور اگر پڑھنے کی اہمیت نہ رکھتا ہو تو دونوں

کسی ایک کا ترجمہ سیکھے۔

اس وصیت نامے میں شاہ صاحب نے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے اعتقاد و عمل میں فقط قرآن و سنت کی پیروی کریں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات پر غور و خوض کریں۔ ان کے مفہوم و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اگر عربی زبان سے آگاہی نہ ہو تو ان کے تراجم پڑھیں۔ یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ اگر عوام قرآن و سنت کے مطالب سے آگاہ ہونا شروع ہو جائیں تو مسلمانوں میں پیدا شدہ بہت سے لایعنی اختلافات از خود دور ہو جائیں اور ان پر حقیقت روزِ روشن کی مانند واضح ہو جائے۔ کیونکہ دین حق کو سمجھنے کے لیے قرآن و سنت ہی ہمارے پاس دو ذرائع ہیں۔ ان کے بغیر دین سمجھا نہیں جا سکتا۔

تفہیم قرآن کے لیے شاہ صاحب نے جو اصول فرمایا ہے اس سے قرآن حکیم کے بے شمار رموز و اسرار واضح ہو جاتے ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کے ضمن میں شاہ صاحب وصایا میں یوں فرماتے ہیں۔

ترجمہ: (صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم) کے بعد قرآن عظیم پڑھائیں اور وہ اس طرح کہ بغیر تفسیر کے قرآن پڑھائیں البتہ ترجمہ پڑھائیں اور اس میں جہاں نحو یا شانِ نزول میں مشکل ہو۔ وہاں توقف کرنا چاہیئے۔ اور تلاش کرنی چاہیے۔

وصیت نامے کی عبارت سے اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ شاہ صاحب ابتداء ہی سے قرآن پر تدبر و تفکر کی جانب طلباء کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے اندر قرآن فہمی کا ملکہ پیدا ہو اور وہ قرآن کے رموز و اسرار سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔ خود متن قرآن پڑھنے کے بارے میں شاہ صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں یوں ذکر فرمایا ہے:۔

حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت یہ تھی کہ کامل غور و فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ والد ماجد کے درس قرآن میں حاضری کی مجھے توفیق ہوئی اور کئی بار میں نے حضرت والا سے متن قرآن پڑھا۔ یہی میرے حق میں فتح عظیم کا باعث ہوا۔ (بحوالہ

(بحوالہ مختصر سوانح حیات از پروفیسر عبدالرحیم)

قرآن کریم پر تدبر اسرار و رموز کے منکشف ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس ضمن میں شاہ صاحب کا اندازِ تدریس منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ درحقیقت شاہ صاحب کی عمیق نگاہیں اس بات کو بھانپ چکی تھیں کہ مسلمانوں کی کامل اصلاح قرآن کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے قرآن فہمی کے لیے اس اندازِ تحریر کو اپنایا۔ تدریس کا یہ طریقہ بے حد سود مند ہے اس کی افادیت کے سلسلے میں شاہ صاحب کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز اپنی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:۔

ہمارا یہ حال ہے کہ عجیب و غریب مطالب قرآن پاک میں ہاتھ آئے ہیں اور جس قدر آمد ہوئی ہے (خود بخود معانی سامنے چلے آتے ہیں) حدیث میں یہ بات نہیں ہوتی۔ حدیث کے درس میں تو میں وہی بیان کرتا ہوں جو کتابوں میں لکھا ہوتا ہے۔

اس جگہ حدیث سے بے اعتنائی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن پر غور کرنے سے جتنے اسرار مجھ پر واضح ہوتے ہیں اتنے کسی اور سے واضح نہیں ہوتے۔ متن قرآن کی تدریس کے بعد شاہ صاحب تفاسیر کے مطالعہ کی تلقین کرتے ہیں۔ جس کا ذکر انہوں نے وصایا میں یوں کیا ہے:۔

ترجمہ: اس کے بعد تفسیر جلالین نصاب کے مطابق پڑھائیں اور اس طریق میں بہت فیض ہے۔

انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح میں اپنے والد ماجد سے خود تفسیر پڑھنے کا ذکر یوں کیا ہے:۔

تفسیر بیضاوی بھی انہوں نے مجھے شادی کے بعد پڑھائی۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ شاہ صاحب مسلمانوں کی اصلاح کے لیے درس قرآن کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ عوام کو قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ انہیں قرآن و حدیث کو سمجھنے کی جانب راغب فرماتے ہیں۔ عربی زبان پڑھنے والے طلباء کو صرف و نحو کی تعلیم کے فوراً بعد ہی متن قرآن پڑھانے کے اندازِ تدریس کو اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔ پھر طلباء کو قرآن فہمی کے لیے قرآن پر بار بار تدبر کی نصیحت کرتے ہیں۔ متن قرآن کی تدریس کے بعد انہیں تفاسیر کے مطالعہ کی جانب راغب فرماتے ہیں۔

واقعی شاہ صاحب کا یہ اندازِ تدریس قرآن منفرد حیثیت کا حامل اور ہر لحاظ سے بے حد سود مند ہے جس کو اپنانا از حد ضروری ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اشرف علی قریشی، مدیر صدائے اسلام پشاور

ہم مسلمانوں کی اکثریت الحمد للہ حنفی مسلمانوں کی ہے جو کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور ان کے قرآن و سنت پر مبنی بتلائے ہوئے راستے کو اپناتے ہیں۔ چونکہ ہم عبادت یعنی نماز حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر پڑھتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنے امام کے حالات اور ان کی شخصیت سے واقفیت رکھتا ہو۔

حضرت امام کا اسم گرامی نعمان بن ثابت تھا۔ آپ عراق کے دار الحکومت کوفہ میں ۸۰ھ مطابق ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم ہے ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے کہ نعمان فعلان کے وزن پر نعمت سے بنا ہے۔ اسم گرامی میں معنوی رعایت یہ ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی مخلوق خدا کے لیے ایک نعمت ہے۔ اس لیے آپ کا نام نامی نعمان ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی مخلوق کے لیے سراپا رحمت و نعمت تھی۔

فَاَبُوْ حَنِیْفَۃَ نِعْمَۃُ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ ابو حنیفہ مخلوق کے لیے اللہ تعالٰے کی نعمت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشین گوئی

اللہ تبارک و تعالٰی نے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوق کے رشد و ہدایت کا ایک عظیم چشمہ بنایا۔ جس سے تمام بنی نوع انسان سیراب ہوئے۔ اللہ تعالٰے نے علم فقہ کی اشاعت ان کے ہاتھوں کرائی اور اہل اسلام کی اس کے ذریعے اصلاح فرمائی۔ بالخصوص اس آخری دور میں جتنا نفع پہنچ رہا ہے۔ مسلمانوں کو ان کے افکارات سے، ان کے بارے میں جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس صحبت میں سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ یہ دوسرے کون ہیں؟ جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے ہیں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی۔ پوچھنے والے نے دوبارہ کیا، سہ بارہ کیا تب آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر دست مبارک رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رِجَالٌ مِنْ ھٰؤُلَاءِ۔ اگر ایمان کہکشاں میں بھی ہوگا تو ان کے کچھ آدمی ضرور اسے پالیں گے"

مسند احمد میں ایک اور سند کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں۔

لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ نَاسٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ"۔ اگر علم ثریا میں ہو تو فارسی لوگ اسے پالیں گے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشین گوئی کے مصداق شارحین حدیث نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر مکیؒ نے حافظ سیوطیؒ کے بعض شاگردوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ہمارے استاد نے یقین کیا کہ اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ ہی مراد ہیں کیونکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام صاحبؒ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی امام صاحبؒ کے علمی مقام کو نہیں پہنچ سکا اور آپؒ تو آپؒ بلکہ آپؒ کے تلامذہ کا بھی کوئی مقام نہ پا سکا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انتہائی پرہیزگار، امانت دار اور معاملہ فہم انسان تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک نمائندے کو مال بیچنے کے لیے باہر بھیجا اور اس مال میں ایک حصہ عیب دار تھا۔ امام صاحبؒ نے اس کو ہدایت کی کہ جس پر یہ مال فروخت کرے اسے یہ عیب بتلا دیں۔ مگر وہ اس بات کو بھول گیا۔

اور سارا مال عیب ظاہر کئے بغیر فروخت کر دیا۔ جب امام صاحب کو علم ہُوا تو اس پورے مال کی قیمت جو کہ ۳۵ ہزار درہم بنتی تھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خیرات کر دی۔

آپؒ کے متعلق کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ بہت سے ناتجربہ کار افراد اگر اپنا مال فروخت کرنے کے لیے آپ کے پاس لاتے اور کم قیمت بتاتے تو آپ خود ان سے کہتے کہ آپ کا مال زیادہ قیمت کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دوست دشمن آپ کی دیانتداری اور پرہیزگاری کی تعریف کیا کرتے تھے۔

مشہور امام حدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ "میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ پرہیزگار آدمی نہیں دیکھا"۔

ہارون الرشید نے ایک مرتبہ امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہؒ کی صفت پوچھی تو انہوں نے فرمایا:

"بخدا وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے سخت پرہیز کرنے والے، اہل دنیا سے مجتنب اور اکثر خاموش رہنے والے آدمی تھے۔ ہمیشہ غور و فکر میں لگے رہتے۔ اور فضول باتیں کبھی نہ کرتے۔ اگر کوئی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا اور ان کے پاس اس کے متعلق کوئی علم ہوتا تو جواب دے دیتے۔ امیرالمومنین! میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے نفس اور دین کو برائیوں سے بچاتے تھے اور لوگوں سے بے نیاز رہ کر اپنے آپ سے مشغول رہتے تھے۔ وہ کبھی کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرتے تھے۔

امام صاحب انتہائی فیاض اور سخی انسان تھے۔ اور خاص کر دینی طالب علموں پر بڑی دریا دلی کے ساتھ خرچ کیا کرتے۔ انہوں نے اپنے منافع کا ایک خاص حصہ اسی مقصد کے لیے الگ رکھا ہُوا تھا۔ جس سے سال بھر علماء اور طلباء کی اعانت کیا کرتے تھے۔ اور مال دیتے وقت ان سے یہ کہا کرتے تھے۔ "آپ لوگ اسے اپنی ضروریات پر خرچ کریں اور اللہ کے سوا کسی کے شکرگزار نہ ہوں۔ میں نے آپ کو اپنے پاس سے کچھ نہیں دیا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو آپ ہی لوگوں کے لیے اس نے مجھ کو بخشتا ہے۔"

امام صاحبؒ کی ذات والاصفات دوست و دشمن کے نزدیک مسلّم ہے اور عشاق نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ اَبَا حَنِيْفَةَ فَهُوَ سُنِّيٌّ وَمَنْ اَبْغَضَهٗ فَهُوَ مُبْتَدِعٌ۔

(الجواہر المضیئہ ج ۲ ص ۴۴۴)

فوری توجّہ کی ضرورت

ایک نومسلم پریشاں حال شخص بیماری اور معاشی مجبوریوں میں بُری طرح جکڑے ہوئے ہیں اور بجا طور پر اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی امداد کی جائے۔ ان سطور کے پڑھنے والے جتنی امداد فرما سکیں گے عنداللہ مستحق اجر ہوں گے۔

اپنی رقوم "مدیر خدام الدین" کی معرفت بھجوا دیں یا ان سے رابطہ کریں وہ ان سے ملوا دیں۔

بھائی! گھر آجاؤ

ملک خلیل احمد آف چنیوٹ! تم اس طرح گھر سے نکل گئے جو مناسب نہیں۔ جہاں ہو فوری طور پر گھر واپس آجاؤ۔

محمد عبدالوارث جامعہ مدنیہ، چنیوٹ



ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی ملتان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے :-
"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایک کے لیے بھی ماں اور باپ دونوں کو جمع کرتے ہوئے نہیں سنا مگر اُحد کے دن میں نے آنحضورؐ کو فرماتے سُنا کہ اے سعد! تیر چلا تجھ پر میری ماں اور باپ قربان ہوں۔ (بخاری مسلم)
اللہ اکبر! یہ سعادت کس کو نصیب ہوئی تھی، حضرت سعد کو۔ جن کی رفیع القدر شخصیت شکیب ایمان اور شمائل توحید سے لبریز تھی جو رزم گاہ دُنیا میں تابندہ و درخشندہ تارے کی طرح روشن رہے گی۔

نسب :- سعدؓ بن ابی وقاص کا اصلی نام سعد اور کنیت ابو اسحٰق ہے۔ آپ کے والد کا معروف نام وقاص اور اصلی نام مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ تھا۔ والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ حضور رسولؐ کریم کی والدہ بی بی آمنہ کے والد وہیب تھے جو حضرت سعد کے والد وقاص کے بھائی تھے۔ اس رشتہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہوئے۔

قبولِ اسلام :- ابن اسحٰق نے کہا جب حضرت ابوبکرؓ نے اسلام اختیار کیا تو آپ نے اس کا اظہار کیا، ان کی تبلیغ سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔
۱- عثمانؓ بن عفان ۲- زبیرؓ بن العوام، ۳- عبدالرحمانؓ بن عوف- ۴- سعدؓ بن ابی وقاص، ۵- طلحہؓ بن عبید اللہ-

حضرت ابوبکرؓ ان سب کو لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ نماز پڑھی اور آنحضورؐ کے پاس اللہ تعالےٰ کی جانب سے جو آیا تھا اس کی تصدیق کی (نمبر۱)
ایک روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص آنحضورؐ سرورِ کائنات سے خود نماز عصر کے بعد اجیاد کی گھاٹی میں ملے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے، جس پر آپ کی والدہ سخت ناراض ہوئیں اور کھانا پینا ترک کر دیا۔ مگر سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا کہ آپ کے لیے میں اسلام نہ چھوڑوں گا۔ بے شک آپ بے کھائے پیئے زندہ رہیں یا نہیں۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے فرمایا کہ میرے اس واقع پر یہ آیت نازل ہوئی ہے[2]

سورہ لقمان آیت ۱۵-

وان جاھدواک علیٰ ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا ۔

ترجمہ :- اگر تیرے ماں باپ یہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، جس کا کوئی علم نہیں تب تو اس وقت ان کا کہنا مت مان۔ بے شک دُنیا میں اچھا سلوک کرتا رہ۔
حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت ہے کہ جب میں اسلام لایا تو میری عمر ۱۷ سال کی تھی۔ میں تیسرا شخص ہوں جو مسلمان ہوا۔ اوّل حضرت خدیجہؓ، دوم حضرت ابوبکرؓ، سوم میں۔ جس دن میں اسلام لایا اور کوئی شخص ایمان نہیں لایا۔ میرے اسلام لانے کے سات دن بعد اور لوگ مسلمان ہوئے اور سات دن میں نے اس طرح گزارے کہ میں مسلمانوں کی تعداد کا تہائی تھا۔ یعنی میرے اسلام لانے پر سات روز تک ہم صرف تین مسلمان رہے ہے[3]

جان نثار سپاہی :- ابتدائے بعثت میں محمد رسول اللہ صلعم مع چند صحابہ کے ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک جماعت مشرکین کی آنکلی اور اسلام کے متعلق لاف و گزاف شروع کر دیا۔ بات بڑھتی گئی اور خاصی لڑائی ہو گئی۔ حضرت سعدؓ نے ایک مشرک سر پر پتھر دے مارا، جس سے وہ زخمی ہو گیا اور بہت خون بہہ نکلا۔ یہ پہلا خون تھا جو اللہ کی راہ میں بہایا گیا تھا۔ یہ شرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو ملا۔
سریہ عبیدہ بن الحارث میں پہلا تیر مسلمانوں کی طرف سے

نمبر۱- سیرت ابن ہشام باب دعوت اسلام ج ۱ ص ۲۷۴-

نمبر۲- عشرہ مبشرہ قاضی حبیب الرحمان حصہ اوّل ص ۷۰، نمبر۳ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۸۴

چلایا گیا۔ ابن اسحاق کی روایت سے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مشرکین کے پاس بنی زہرہ کے حلیف المقداد بن عمرو البرانی اور بنی نوفل بن عبد مناف کے حلیف عتبہ بن غزوان بن جابر المازنی مسلمانوں کی طرف بھاگ آئے۔ یہ دونوں مسلمان تھے۔ قریش کا سردار عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہاں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک تیر پھینکا۔ یہ تیر مسلمانوں کی طرف سے پہلا تیر تھا جو کسی غزوہ میں مشرکوں کی طرف پھینکا گیا تھا۔ یہ شرف بھی سعدؓ بن ابی وقاص کو حاصل ہوا۔

غزوہ احد کے دن جب حضور احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اطہر زخمی ہو گیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان سے صالح بن کیسان نے اور ان سے سعدؓ بن ابی وقاص نے فرمایا کہ خدا کی قسم میرے دل میں کسی آدمی کے قتل کرنے کی کبھی ایسی خواہش نہیں ہوئی تھی اس دن اپنے بھائی عتبہ کو قتل کرنے کا جذبہ تھا، کیونکہ رسول صلعم نے فرمایا کہ "اللہ" کا غضب اس شخص پر شدید ہو گیا جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے آلودہ کیا۔ پس سعدؓ بن ابی وقاص رسول پاک کی مدافعت میں تیر پر تیر چلا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ یہ فرماتے ہوئے مجھے تیر دیتے جا رہے تھے کہ (فداک ابی و امی) یعنی میرے ماں باپ تم پر قربان تیر چلاتے رہو۔ ایک روایت ہے کہ صرف غزوہ احد کے دن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک ہزار تیر چلائے۔

سعدؓ بن ابی وقاص سے منسوب اشعار:۔ غزوہ بدر میں جنگی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ہر شخص بجائے خود ایک محشر خیال بنا ہوا تیاریوں میں منہمک تھا۔ کچھ اشعار گنگنا رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں بعض افراد کا بیان ابن اسحاق کی روایت سے سیرت ابن ہشام میں تحریر ہے کہ یہ اشعار سعدؓ بن ابی وقاص نے فرمائے تھے۔

الا ھل اتی رسول اللہ انی
حمیت صحابتی بصدور نبل

ترجمہ:۔ سنو جی۔ کیا رسول اللہ صلعم کے پاس بھی یہ خبر ہے کہ میں نے اپنے تیر کے اگلے حصوں سے اپنے ساتھیوں کی حمایت کی ہے۔

فما یعتد رام فی عدو
بسھم یا رسول اللہ قبلی

ترجمہ:۔ غرض اے اللہ کے رسول! مجھ سے پہلے کوئی تیر مارنے والا دشمن کے لیے تیر تیار نہ رکھے گا۔

بحیثیت سپہ سالار:۔ فتوحات عراق و فارس کا سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں شروع ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۳ھ میں ابو عبیدہ ثقفی کی سرکردگی میں سقاطیہ کے میدان میں غضب ناک لڑائیاں ہوئیں۔ جس میں چھ ہزار جانثاران اسلام شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت غور و خوض کے بعد حضرت علی کرم اللہ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کے مشورے سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جو بڑے مرتبہ کے صحابی تھے اور ان کی بہادری، شجاعت بھی مسلم تھی کے زیر قیادت ایک لشکر جرار تیار کرایا اور عراق کی جانب روانہ ہوا۔ یہ جنگ محرم الحرام سنہ ۱۴ھ میں قادسیہ کے مقام پر لڑی گئی۔ انجام کار فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں قیام کیا۔ سنہ ۱۵ھ میں بابل و کسریٰ فتح ہو گیا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح جنگ لے کر گئے تھے۔ نہایت فصاحت سے جنگ کے حالات حضرت عمرؓ کے دربار میں بیان فرمائے۔ مزید حضرت عمرؓ نے ممالک مفتوحہ کا مال تقسیم کرنے کی ہدایت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھ بھیجی۔ بلاذری نے اس خط کو ان الفاظ[1] میں نقل کیا ہے:۔

"تمہارا خط پہنچا۔ تم بیان کرتے ہو کہ لوگ تم سے کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ مال و ملک اللہ تعالےٰ نے ان کو غنیمت میں عطا کیا ہے۔ اس کو تقسیم کیا جاوے۔ سو تم میرا خط ملنے کے بعد ایسا کرو کہ فوج نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر جو مال اسباب اور جانور لوٹے ہیں ان کو خمس وضع کرنے کے بعد اہل فوج میں تقسیم کر دو۔ باقی اراضی اور انہار کاشت کاروں کے پاس رہنے دو تاکہ مسلمانوں کی تنخواہوں کے کام آئیں۔ ورنہ اگر ان کو موجودہ زمانہ کے لوگوں میں تقسیم کر دو گے تو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے کچھ نہ بچے گا۔"

۱۔ کتاب الخراج باب تقسیم غنائم میں خمس کے مصارف میں معمولی رد و کد کے ساتھ ایسی ہی حدیث محمد بن سلٹب کلبی نے ابو صالح اور آپ نے عبید اللہ بن عباس، آپ نے رسول پاک کے حوالہ سے بیان فرمائی ہے۔

مناصب :- حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لیے مجلس شوریٰ ترتیب دی گئی تاکہ خلافت کا مسئلہ خالص جمہوری بنیادوں پر حل کیا جائے۔ مجلس شوریٰ میں عشرہ مبشرہ کے صحابہ کرام میں سے آپ بھی تھے، جنہوں نے خلیفہ نامزد کرنا تھا۔ آپ تاریخ میں دو وجوہات سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اولاً :- اپنی بزرگی اور تقویٰ کی وجہ سے، دوم :- یہ پہلی جمہوری مجلس تھی، جس میں عوام کی نمائندہ حکومت قائم کی گئی۔ مجلس شوریٰ میں حسب ذیل صحابہ کرام شامل تھے :-

۱- حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف، ۲- حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، ۳- حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ، ۴- حضرت زبیرؓ بن العوام، ۵- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۶- حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، اس میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا مشورہ ایک مقام رکھتا تھا۔

فضائل ومناقب :- آپ اوائل زمانہ اسلام میں مسلمان ہوئے، جیسے خود فرماتے ہیں کہ آپ تیسرے مسلمان تھے۔ اور حضور اکرم صلعم کے ساتھ سب سے زیادہ سرایا، غزوات اور جنگوں میں شرکت کی۔ سائبؓ بن یزید آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ انتہائی قلیل الروایات تھے۔ اس وجہ سے آپ سے بہت کم حدیثیں مروی ہیں۔ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کسی مسئلہ پر حدیث معلوم کی۔ آپ نے جواب دے دیا۔ پھر عبداللہ بن عمر حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور وہی حدیث دریافت کی اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ میں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے بھی دریافت کیا ہے جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تجھ سے سعدؓ کوئی حدیث رسولؐ بیان کریں تو کسی اور سے مت پوچھ۔ وہ افضل ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلعم کی خدمت میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص آئے ہوئے تھے۔ نبی صلعم نے ان کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہا، جابر! یہ میرا ماموں ہے، کوئی مجھے میرے ماموں جیسا ماموں دکھائے۔

قبولیت دعا آپ پر ختم تھی۔ لوگ آپ کی دعا سے گھبراتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضورؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ کہ اے اللہ اس کی تیر اندازی کو قوی تر کر دے۔ اس کا تیر خطا نہ ہو۔ اے اللہ جب سعدؓ کسی چیز کے لیے تجھ سے دعا کرے تو قبول فرما۔

سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ چھ آدمی تھے، جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ مشرکوں نے نبی صلعم سے کہا تم ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دو جو غلام اور مفلس ہیں تاکہ یہ لوگ ہم پر جری اور دلیر نہ ہوں۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

سورت الانعام آیت ۵۵۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ۰

ترجمہ :- ان لوگوں کو نہ اٹھاؤ جو صبح شام محض خدا کی خوشنودی کرنے کے لیے اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں اور پکارتے ہیں۔

(مسلم۔ مشکوٰۃ - ۵۶۱۶)

اخلاق وعادات :- آپ نیکوکار، انصاف پسند، عظیم الحوصلہ، خوش گفتار انسان تھے۔ رسول صلعم کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ کسی غزوہ سے مدینہ واپس آ کر رسول اللہ رات بھر (دشمن کے خوف سے) نہ سوئے اور فرمایا کاش کوئی مرد صالح ہوتا جو میری نگہبانی کرتا۔ یکایک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ رسول اللہ صلعم نے دریافت کیا کون ہے۔ آواز آئی، سعد ہوں۔ آپ نے پوچھا تم کیونکر آئے۔ سعدؓ نے جواب دیا۔ میرے دل میں رسول اللہ کی نسبت خوف پیدا ہوا اور میں آپ کی نگہبانی کو حاضر ہو گیا۔ حضور سرور دو عالم نے سعد کے لیے دعا فرمائی۔ (بخاری ومسلم)

آپ تفرقہ اور جھگڑے کو ناپسند فرماتے تھے اور ہمیشہ گریز کرتے تھے اور جنگ جمل اور جنگ صفین میں لوگوں کے کہنے کے باوجود شرکت نہ کی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ کوفہ کے گورنر رہے۔ پھر کوفہ سے واپس آ کر عزلت نشین ہو گئے۔

معجزہ احد :- سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں احد کی جنگ میں شریک تھا اور جب حضورؐ زخمی ہو گئے تو ان کی نگہبانی کر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے دشمنوں سے نہایت سختی سے لڑ رہے ہیں۔ آن کی آن میں دشمنوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ان آدمیوں کو نہ تو میں نے پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں۔ یہ دونوں دراصل فرشتہ تھے۔

حلیہ :- سعدؓ بن ابی وقاص پستہ قد اور فربہ جسم تھے۔ تمام بدن پر بال تھے۔ جسم کثرتی تھا اور محنت ومشقت کی وجہ سے

ظاہر اور باطن پاک رکھیے

محمد شفیع عمرالدین

ظاہر و باطن اگر باشد یکے
نیست کس را در نجاتِ او شکے (مولانا رومؒ)

یعنی جو شخص شریعت کے مطابق اپنی ظاہری و باطنی حالت یکساں اور صحیح رکھے گا اس کی آخرت کی نجات میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الانعام آیت ۱۲۰)

(ترجمہ) اور تم ظاہری اور باطنی سب گناہ چھوڑ دو۔

لہٰذا سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ سب ظاہری اور باطنی گناہوں سے کنارہ کیا جائے۔ اور ظاہراً و باطناً تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی جائے۔

دل پر گناہوں کا اثر

ہر کام جو شریعت مطہرہ کے خلاف کیا جائے۔ وہ گناہ ہے۔ اور جب ظاہری یا باطنی گناہ کیا جاتا ہے۔ تو دل میں بے چینی، پریشانی اور کھٹکا پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ

(ریاض الصالحین بحوالہ مسلم صـ ۲۹۲)

ترجمہ۔ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ اور تو یہ بات بری جانے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے۔

ہر سلیم الطبع شخص کے دل پر ظاہری اور باطنی گناہ کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔ اور اسے ترک کر دینے سے قلب کو اطمینان، سکون اور چین حاصل ہوتا ہے وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جو ضمیر کی آواز کو لبیک کہہ کر ہر پوشیدہ اور علانیہ گناہ سے اپنا دامن بچائے رکھتا ہے۔

اصلاحِ قلب کی اہمیت

سب علانیہ اور پوشیدہ گناہوں کو ترک کر کے دل کو پاک و صاف رکھنا چاہیے۔ جیسے ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے۔ ویسے باطن بھی ظاہر پر اثرانداز ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ۔ خبردار۔ بیشک بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہے، تو سارا بدن (ظاہر و باطن) ٹھیک ہے۔ اور اگر وہ خراب ہے تو سارا بدن خراب ہے۔ اور یہ گوشت کا ٹکڑا "دل" ہے۔

نیز حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔

(مشارق الانوار بحوالہ مسلم صـ ۴۴)

ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے۔ لیکن تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔

ع پس نظرگاہ خدا دل، نے تن است۔

اسی لئے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ نصیحت فرماتے ہیں کہ "تنویر باطن" میں کوشش کرو کیونکہ باطن اللہ تعالیٰ کی نظر کی جگہ ہے "تنویر باطن" دوام مراقبہ سے متعلق ہے۔ نیز "وظائف بندگی" کی بجا آوری، فرائض، سنتیں اور واجبات کی ادائیگی اور بدعات و محرمات و مکروہات سے بچنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس قدر بھی اتباع شریعت اور بدعت سے اجتناب میں کوشش ہوگی، اسی قدر نور باطن بڑھے گا اور جناب قدس کی طرف راستہ کشادہ ہوگا۔ یہ اتباع یقینی طور پر نجات دہندہ نتیجہ بخش اور درجے بلند کرنے والا ہے۔ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اور اس کے ماوراء، خطرہ ہی خطرہ ہے (از مکتوب۔ ۵۱۔ جلد سوم)

حاصل کلام سب گناہوں سے کنارہ کریں۔ سب نواہی سے بچیں اور سب اوامر پر عمل کریں اور باطن کو بھی حسد، بغض، کبر، غرور، حرص، کینہ، فریب وغیرہ سے پاک رکھیں۔ سب باطنی بری خصلتیں ترک کر دیں ـــــ اور اللہ کی طرف رجوع رکھیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ عبودیت کی اصل یہ ہے کہ "ظاہر" شریعت کے مطابق ہو۔ اور "باطن" میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری کسی چیز کی گنجائش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔



مولانا سید ابوالحسن ندوی

اِسلامی مُلکوں میں نظامِ تعلیم کی اہمیّت

اور وہاں کی قیادت اور فکری رُجحانات میں اس کے دُوررس اثرات

یہ مقالہ ہم معاصر عزیز "الحق" اکوڑہ خٹک کے شکریہ سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ "مرتب الحق" کا ابتدائی نوٹ بھی ہمراہ ہے۔

ہم اس کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری قیادت کو توفیق بخشے کہ وہ علمی میدان میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کی خرابیوں کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم اس اہم معاملہ میں مجرمانہ غفلت کا شکار ہیں۔

(مدیر)

یہ گرانقدر مقالہ پچھلے سال ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پچاسی ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کے دوران تعلیمی مسائل پر مجلس مذاکرہ میں پیش کیا گیا۔ مولانا ندوی کا یہ مقالہ شاید اس موضوع پر بعض حیثیتوں سے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں پوری صراحت، توازن اور صحیح نشاندہی اور علمی شواہد کے ساتھ ممالک اسلامیہ میں موجودہ نظامِ تعلیم کی خامیوں اور اس کے طبعی اور دوررس اثرات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اصل مقالہ عربی میں تھا۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا کی نظرثانی کے بعد پیش ہے۔ مقالہ ان خاص اور بیش قیمت تحریروں میں سے ہے جو روز روز مرتب نہیں کی جا سکتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم گاہوں، تعلیمی اور علمی مراکز کے ذمہ داروں اور ماہرین تعلیم سے ہماری خصوصی گذارش ہے کہ اس پر ایک نظر ضرور ڈالیں۔

—— مرتب ——

بزرگان محترم اور رفقائے کرام!

میں اس فرصت اور صحبت کو جو زمانۂ طویل کے بعد میسّر آئی ہے غنیمت سمجھتے ہوئے اور اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے آج ایک ایسے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک ملّت مسلمہ اور عالم اسلام کے موت و زیست اور وجود اور عدم وجود کے سوال کے مرادف ہے میں پوری دیانتداری اور یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں، کہ اگر یہ بین الاقوامی اسلامی اجتماع اس اہم اور نازک موضوع پر گہری ہمدردی اور سنجیدگی سے غور کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ہم اس کو ایک مبارک اور تاریخ ساز اجتماع کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہی تو وہ ملّتِ اسلامی کی حیاتِ نو کا نقطۂ آغاز بن سکتا ہے۔

حضرات! آپ کی اجازت سے میں اس موضوع پر کسی قدر تفصیل اور وضاحت صراحت کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں، موضوع کی نزاکت اور اہمیّت اس بات کی متقاضی ہے کہ کہانی بہت دُور سے شروع کی جائے۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ آج کا یا چند مہینوں اور سالوں کا نہیں ہے یہ ایک بہت قدیم مسئلہ اور پرانی مشکل ہے۔ جس کی جڑیں ملت کی زندگی اور تاریخ میں اندر تک پیوست اور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس مسئلہ میں پہلی نفسیاتی حقیقت جس سے صرف نظر کرنا ناممکن ہے۔ وہ اسلامی معاشرہ میں ایسے اشخاص کا وجود ہے۔ جن کو اس عقیدہ پر جس پر اس معاشرہ کی اساس ہے قلبی طور پر انشراح نہیں ہوتا اور وہ ان حقائق و مبادی اور مقاصد اور اقدار پر یقین نہیں رکھتے جن کے لیے یہ معاشرہ زندہ اور کوشاں ہے۔

یہ دراصل ہر اس انسانی معاشرہ کا مزاج اور خاصہ ہے جو کسی مخصوص عقیدہ اور متعین حدود و قیود کا پابند ہے۔ اور جب اس معاشرہ اور جماعت کا کوئی فرد ان حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کے دائرہ سے خارج یا اس کا باغی قرار دیا

دیا جاتا ہے۔ اور ان حقوق و امتیازات سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جو اس کو اب تک حاصل تھے۔ برخلاف قومیتوں کے جن کا دروازہ ہر عقیدہ و مسلک اور ہر قسم کے صحیح اور غلط طرزِ زندگی اور کردار کے لیے کھلا رہتا ہے۔ اور ان کی صرف ایک شرط ہوتی ہے اور وہ یہ کہ یہ فرد اپنی قومیت تبدیل نہ کرے۔ حکومت یا ملک کے خلاف کوئی سازش نہ کرے اور کسی قومی غداری کے جرم کا مرتکب نہ ہو۔

یہ مشکل اس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور جن لوگوں پر اس معاشرہ کے اچھے بُرے کی ذمہ داری ان کے لیے سب سے سنگین مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ عنصر (جس نے اس عقیدہ کو کبھی اخلاص کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا یا کسی وجہ سے اس کو ہضم نہیں کر سکا تھا یا کسی خاص سبب سے ہضم کرنے کے بعد اسے پھر خارج کر دیا تھا) اس مومن و مسلم معاشرہ کے دائرہ اور فریم کے اندر اس کے ایک جز کی حیثیت سے زندہ رہنا اور پھلنا پھولنا چاہتا ہے۔ اور اپنے مستقبل کو کسی مصلحت یا مجبوری سے اس کے مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ اپنے کو اس کے مطابق ڈھالنا، اس کے رنگ میں رنگنا اس کو کسی حالت میں گوارہ نہیں ہوتا۔ وہ اس معاشرے کے مسلّم و بنیادی حقائق و تصورات اور صفات و خصوصیات پر یقین نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کے اندر اس کے لیے کوئی گرم جوشی اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بات فتنۂ ارتداد سے زیادہ خطرناک فتنہ انگیز اور دور رس ہے۔ جس کی سنگینی سے ہمارا مسلم معاشرہ واقف ہے۔

یہ مسئلہ اس وقت کچھ اور پیچیدہ بن جاتا ہے۔ جب یہ عنصر اپنی ذہانت و ہنر مندی سے عوامی اعتماد حاصل کرنے اور دوسروں پر چھا جانے کی وجہ سے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد پورے معاشرہ کو اس راستے پر لے جاتا ہے جو اس کے نزدیک الحاد و بے دینی اور اس کے طے شدہ اصولوں اور اخلاقی قدروں سے بغاوت کے راستے ہیں۔ بعض اوقات اس کو ان مقاصد کی طرف بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکایا جاتا ہے۔ جو اس کے دین و عقیدہ کے سراسر منافی یا اس کے متوازی ہوتے ہیں۔ وہ ایک ایسی عمیق نفسیاتی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے جس سے زیادہ سخت کشمکش تاریخ انسانی تاریخ اخلاق و نفسیات اور تاریخ مذاہب میں شاید ہی کبھی پیش آئی ہو۔ وہ موت و زیست کی درمیانی اور بحرانی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ جس سے اس کو کسی وقت چھٹکارا نہیں ملتا۔

اس قیادت کے اثر سے جو اپنے معاشرہ اور قوم کے دین و عقیدہ پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ اکثر اوقات اس سے برسرِ پیکار اور آمادۂ فساد رہتی ہے۔ فکری و ذہنی ارتداد کو کھلی چھوٹ مل جاتی ہے اور ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد جن کے پاس اخلاقی و نفسیاتی حفاظت کا کوئی سامان یا ایمانی و روحانی قوت کا کوئی ذخیرہ یا کوئی علمی و فکری حصار نہیں ہوتا۔ اس سمندر میں غرقاب ہو جاتی ہے۔ دولت کے پرستار، چڑھتے سورج کے پجاری موقع پرست، ابن الوقت اس کا خصوصیت اور زیادہ آسانی سے شکار ہوتے ہیں، یا پھر دوسری شکل میں نفاق پورے معاشرہ میں عام ہو جاتا ہے۔ معاشرہ کی داخلی قوت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا پورا ڈھانچہ اندر اندر سڑنے لگتا ہے، مکر و فریب عام ہوتا ہے۔ سازشوں کی کثرت ہوتی ہے۔ غداری اور قومی خیانت کے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں، ضمیر اور بڑی سے بڑی قابلِ احترام اور مقدس میراث کا سودا ارزاں اور آسان ہوتا ہے۔ ملک کے بڑے بڑے سفینے چند سکوں کے عوض فروخت کر دیے جاتے ہیں۔ جاسوسوں اور دشمن کے کارندوں اور ایجنٹوں کی بن آتی ہے۔ اور ان کو اس خدمت کے لیے کوئی بھی طریقہ اور حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں ہوتا۔ یہ وہ صورت ہے جس کی نظیر کسی اور انسانی معاشرہ میں (جس کو یہ سخت آزمائش پیش نہیں آئی ہے۔ یا جس کے عوام اور قیادت کے درمیان اتنی وسیع، گہری اور بنیادی و نظریاتی خلیج نہیں ہے) نہیں ملتی۔

اس کے نتیجہ میں یہ معاشرہ کسی بیرونی دشمن یا اندرونی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا اور اس کی اصل وجہ یہی ذہنی انتشار اور نفسیاتی کشمکش، قیادت اور اس کے دیے ہوئے اعلانات اور نعروں سے عوام کی بے تعلقی اور عدم دلچسپی ہے۔ یہ سب حالات و واقعات کا منطقی نتیجہ اور نفسیاتِ انسانی کا طبعی خاصہ ہے۔ اور ان تمام ملکوں کی قدیم و جدید تاریخ اس پر گواہ ہے۔ جو اپنے قائدین و زعماء یا اپنے حکام و امراء کی محبت سے کبھی آشنا نہیں رہے۔ اور جہاں جمہور اور قیادت میں جذباتی ہم آہنگی اور فکری یکسانیت کبھی پیدا نہیں ہو سکی۔

البتہ اس اسلامی سوسائٹی نے جو خود دعوتِ اسلامی کی اساس پر قائم تھی اور جس نے نبوتِ محمدی کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی اس طبعی اور تاریخی حقیقت اور امر واقعی کا کامیابی سے مقابلہ کیا جس کا واسطہ قدرتی طور پر ہر اس جماعت کو پڑتا ہے جس کی تعمیر ایمان و عقیدہ دیانت و تقویٰ اور دعوت و جہاد کی بنیاد پر ہوئی ہو۔ نفاق کی بیماری تو صرف اس ماحول کو لگتی ہے۔ جہاں دو حریف نظریات اور مقابل قیادتیں پائی جاتی ہوں خواہ ان دونوں میں ضعف و قوت اور قلت و کثرت کے لحاظ سے کوئی تناسب نہ ہو۔ اس موقع پر وہ متردد عنصر سامنے آتا ہے۔ جو ان دونوں مخالف کیمپوں کے درمیان گھومتا رہتا ہے اور متردد رہتا ہے۔ کہ ان میں سے کس کا انتخاب کیا جائے اور کس کا دامن تھاما جائے۔ پھر کسی نہ کسی دعوت کی طرف مائل ہو کر اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اپنی محبت و تعلق کا مرکز بنا لیتا ہے۔ تاہم اس کی مادی مصلحتیں اور حریف کی قوت اور عروج و اقبال اس کو اپنے موقف کے اعلان، اپنی رائے کے اظہار اور نئی دعوت کو بالکلیہ قبول کرنے سے باز رکھتا ہے اور مقابل دعوت سے اپنی رسم و راہ قطعی اور آخری طور پر ختم نہیں کرتا، قرآن مجید میں اسی کیفیت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

"مذبذبین بین ذلك لا الی هؤلاء ولا الی هؤلاء (نساء: ۱۴۳)

بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"ومنهم من یعبد الله علی حرف فان اصابه خیر اطمأن به وان اصابته فتنة انقلب علی وجهه!

(ترجمہ: لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کنارے پر کھڑے ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اگر ان کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جائیں اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائیں۔ (یعنی پھر کافر ہو جائیں)۔)

اسی لیے جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے مکہ میں نفاق کا وجود نہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام وہاں مغلوب تھا۔ اس کے اندر نفع و نقصان پہنچانے اور تغیر و تبدل کی کوئی طاقت نہ تھی اور وہاں دو متوازی قوتیں نہ تھیں، مشرکین بڑے طاقت ور اور غالب تھے مسلمان مظلوم بنتے اور مغلوب تھے۔ جب اسلام مکہ سے مدینہ منتقل ہوا اور اسلامی سوسائٹی اپنے تمام لوازمات اور طبعی خاصیتوں کے ساتھ وجود میں آئی تو نفاق نے سر اٹھایا، یہ ایک ایسی قدرتی اور نفسیاتی صورتِ حال تھی جس سے کوئی مفر نہ تھا۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے اور سلسلۂ وحی کی وجہ سے یہ نوزائیدہ سوسائٹی ان منافقین کے شر سے محفوظ رہی۔ قرآن مجید نے متعدد جگہوں پر ان کو اچھی طرح بے نقاب کیا ہے، عام مسلمان بھی ان سے واقف اور بیزار و متنفر تھے۔ سوسائٹی نے بھی ان کو اپنے دائرہ سے خارج کر دیا تھا۔ اور ان کے لیے اس کے اندر چوری چھپے گھسنے اور خلل اندازی کرنے کا زیادہ موقع باقی نہیں رہا تھا۔ سوسائٹی کے اعتماد کو حاصل کرنے اور منصب و اقتدار تک پہنچنے کی بات تو بہت دور کی تھی، چنانچہ یہ اولین اسلامی سوسائٹی برابر صحت مند اور ان آلائشوں سے محفوظ رہی، نفاق اس کو کمزور اور کرم خوردہ نہ بنا سکا اور منافقین کو بھی اس کو نقصان پہنچانے کا موقع نہ مل سکا۔ بلکہ ان کی کمزوری، شکست خوردگی اور بدحالی کو دیکھ کر بہت سے صحابہؓ کو جن میں بڑے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے۔ یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ان کی نسل ختم ہو چکی ہے اور عہد نبوی کے بعد اب نفاق کا کوئی وجود نہیں رہا لیکن نفاق پہلے بھی انسانی زندگی کا ایک خاصہ اور بہت سے لوگوں کی کمزوری تھا اور آج بھی ہے۔ اس نے کسی وقت قافلۂ انسانی کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ اور ہر موقع اور گنجائش سے پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور اپنی جگہ بنائی ہے۔ بہت سے اسباب و عوامل نے (جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں) اس کی ہمت افزائی کی اور اس کو تخت سلطنت، اعلیٰ قوت اور انتظام حکومت کی منزل تک پہنچایا نیز علم و ادب کی محفلوں میں اس کو باریابی کا موقع دیا اور یہ سب اس عہد میں ہوا جب اسلام پیش قدمی کر رہا تھا، فاتح و با اقتدار تھا، اور اسلام قبول کرنے اور اسلامیت کا مظاہرہ کرنے میں بہت سے سیاسی اجتماعی اور اقتصادی فوائد بھی تھے، یہ وہ موقع تھا جب نفاق نے آگے بڑھ کر وسیع اسلامی سلطنت کے کلیدی اور اہم عہدوں پر قبضہ کر لیا اور اس میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے کسی خاص فن یا صنعت میں اپنی مہارت کی وجہ سے یا غیر معمولی ذہانت یا علمی برتری کی وجہ سے نوزائیدہ اسلامی حکومت پر پورا تسلط حاصل کر لیا اور ان میں بڑے اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیتوں کے لوگ افواج کے سپہ سالار اور ادباء و اہل قلم اور حکومت کے اہل کار پیدا ہوئے۔

ان حالات میں ایک مرتبہ سیدنا حسن بصریؒ سے نفاق اور منافقین کے موجودگی کے بارے میں سوال کیا گیا وہ زمانہ ایسا تھا کہ اقتدار اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے اثبات میں اس کا جواب دیا اور صرف ان کے وجود کی تصدیق نہیں کی بلکہ اس کا اظہار کیا کہ وہ طاقت کی پوزیشن میں ہیں۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت! کیا آج بھی نفاق کا کہیں وجود ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "اگر منافقین بصرہ کی گلیوں کو چھوڑ دیں تو تم کو ویرانی کی وجہ سے وحشت ہونے لگے" ایک مرتبہ فرمایا "اور اگر وہ نکل جائیں تو تم اپنے دشمنوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکو" ایک موقع پر کہا "خدا کی شان اس امت کو منافقین نے کتنا نقصان پہنچایا اور کس طرح اس پر قبضہ کر لیا"[1]

اس کے بعد غیر ملکی اقتدار اور مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار کا دور شروع ہوتا ہے اور مشرق اپنے ارادہ سے یا بلا ارادہ مغربی طرز تربیت، نظام تعلیم، دبستان فکر، زندگی اور انسان کے مغربی تصور اور علوم و فنون کے مغربی زاویہ نگاہ کے سایہ میں یا زیادہ بہتر الفاظ میں اس کی گود میں　　اس طرح آ جاتا ہے جیسے کوئی شیر خوار بچہ کسی دیرینہ سال مربی و اتالیق کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ وہ اس کے پورے نظام تعلیم یا مختصر الفاظ میں اس کے نظریۂ تعلیم کو ساری خرابیوں اور خامیوں کے باوجود جوں کا توں قبول کر لیتا ہے۔ جو ایک ایسی سرزمین میں پیدا ہوا اور نافذ کیا گیا جس کے عقائد، بنیادی اصول، اخلاقی قدریں، اسلامی معاشرہ کی قدروں اور بنیادی و مسلّمہ اصولوں سے ہر جگہ اور ہر سطح پر مختلف ہیں، جن پر وہ پورا ایمان رکھتا ہے۔ یا ان پر ایمان لانا ان کے لیے جد و جہد کرنا ان کے لیے کچھ نہ کچھ قربانی دینا اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ بلکہ مغرب کی اخلاقی قدروں کی تردید اور ان کی بیخ کنی اور تحقیر ہی پر اس کی بنیاد ہے۔ ایسی حالت میں اس کی مثال بعینہٖ اس شخص کی سی ہوتی ہے۔ جو آب حیات کے شوق میں زہر کا پیالہ پینا چاہتا ہے، یا کھاری اور نمکین پانی سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرے۔

انہوں نے اپنے تعلیمی منصوبوں اور علمی اداروں کی تشکیل میں بیرونی ملکوں کے تعلیمی مشیروں کو پورا اختیار دے رکھا ہے۔ اور ان ملکوں سے صرف درسی کتابیں نہیں درآمد کرتے ہیں وہ ان ملکوں میں اپنے تعلیمی وفود بھیجتے ہیں تاکہ وہ مغربی ماہرین تعلیم اور اساتذہ کی تربیت میں نشو و نما حاصل کریں، پھر ان کو ممالک اسلامیہ کے تعلیمی منصوبوں اور پالیسیوں کی تشکیل و تربیت کی پوری آزادی بھی دے دیتے ہیں کہ جس طرح چاہیں ان کا نقشہ بنائیں اور ان کا جو رخ چاہیں متعین کریں۔ اس کے نتیجہ میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو اپنے عقائد و افکار اور اپنے اخلاق و سیرت سب میں ذہنی انتشار کا شکار ہے، فکر مغربی اور فکر اسلامی کے درمیان تذبذب کی حالت بھی بسا غنیمت تھی لیکن اس نے اکثر اوقات اپنے ملک و ملت اور اپنے معاشرہ کے سارے معتقدات و مسلمات اور اصول و اقدار سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

یہ ایک بالکل قدرتی بات تھی جس پر کوئی تعجب نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مقام تعجب تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مشیرانِ تعلیم اور ان کے شاگرد اپنے کام میں مخلص ہوں اور اس تعلیمی پالیسی اور منصوبہ بندی میں ان کے پیش نظر اسلامی ملکوں اور

---

[1] یہ اقتباسات محدث الفریابی کی کتاب "صفۃ النفاق وذم المنافقین" سے ماخوذ ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۶۸

نئی نسلوں کی فلاح و ترقی ہو لیکن یہ فرض کر لینے سے بھی ان ملکوں میں پیدا ہونے والے فکری اضطراب اور بنیادی تضاد اور ناہمواری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور تصویر اسی طرح تاریک رہتی ہے۔ ان میں سے اکثر لوگوں کی اس خامی کو اس پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ وہ دین سے اور اس کی بنیادوں اور اصولوں سے، مسلم اقوام کے مزاج و کردار اور انکی شخصیت و دعوت کے مطابق اور منافی دونوں چیزوں سے واقف نہیں ہوتے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ان ملکوں اور قوموں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہوں۔ لیکن ان کو بچانے کی یہی کوشش ان کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان غیر ملکی تعلیمی مشیروں کے سلسلہ میں مجھے DAN ADAMS کا یہ تبصرہ بہت پسند آیا جو اس نے اپنی کتاب EDUCATIONAL PATTERNSIN CONTEMPORARY SOCIETIES میں کیا ہے۔

ایک مشرقی حکایت غیر محتاط غیر ملکی تعلیمی مشیروں سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی پوری تصویر کشی کرتی ہے۔ کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا سیلاب آیا جس میں ایک بندر اور ایک مچھلی پھنس گئے۔ بندر تیز و طرار اور تجربہ کار تھا۔ لہٰذا ایک درخت پر چڑھ کر وہ سیلاب کی طوفانی موجوں سے محفوظ مقام پر جا بیٹھا۔ اب اس نے نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ غریب مچھلی اُٹھتی ہوئی لہروں کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے۔ پوری ہمدردی اور نیک نیتی کے جذبہ کے ساتھ وہ نیچے آیا اور اس نے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا پھر جو نتیجہ نکلا وہ ظاہر ہے [1]

عہد حاضر کے ماہرین تعلیم نے بالاتفاق اس کا اظہار کیا ہے کہ:۔

"تعلیم کوئی ایسا تجارتی سامان نہیں ہے جو درآمد یا برآمد کیا جا سکے مثلاً مصنوعات کچا مال یا وہ ایجادات و ضروریات جو کسی ملک اور علاقہ کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ ایسا لباس ہے جو ان اقوام کے قد و قامت و جسامت کی ٹھیک ناپ کے مطابق تراشا اور سیا جاتا ہے۔ اور پسندیدہ و محبوب علم و فن اور ان مقاصد کو سامنے رکھ کر تیار کیا جاتا ہے جن کے لیے وہ ہر طرح کی قربانی دے سکتی ہیں [2] اور یہ کہ:۔

"تعلیم صرف اس عقیدہ کو مضبوط کرنے کا ایک مہذب اور شائستہ طریقہ ہے۔ جس کا حامل یہ ملک یا قوم ہے۔ اس کا مقصد فکری طور پر اس کو غذا دینا اس پر اعتماد پیدا کرنا اور اگر ضرورت ہو تو علمی دلائل سے اس کو مسلح کرنا ہے، وہ اس عقیدہ کے دوام و بقا کا وسیلہ اور بے کم و کاست آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک طریقہ ہے نظام تعلیم کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ والدین اور مربیوں اور نگرانوں کی اس سعی پیہم کا نام ہے جو وہ اپنی اولاد کو اپنے دین و مسلک پر قائم رکھنے کے لیے کرتے رہتے ہیں اور ان کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ورثہ کے (جو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے حاصل کیا تھا) صالح و اہل وارث اور امین ثابت ہوں، اور ان کے اندر اس ثروت میں اضافہ اور توسیع اور اس کو ترقی دینے کی پوری صلاحیت ہو [1]

برطانیہ کے ماہرین تعلیم کی ایک رپورٹ میں یہی بات کہی گئی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"ریاست کا مفاد اس میں ہے کہ وہ دیکھے کہ اسکولوں کے ذریعہ قومی زندگی کے مکمل اجزاء نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہیں۔ اس کا کام ہے کہ یہ دیکھے کہ طلبہ قومی مفاد کے مقررہ معیار کی کارکردگی کو قائم رکھتے ہیں اور اسے ترقی دیتے ہیں۔ ریاست کی ظاہری تعلیمی سرگرمی کے پس پشت غیر مرتب لیکن معاشرہ کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے۔ کہ بچے قومی خصوصیات کے جانشین بنتے ہیں"

گارڈ فورڈ (GAR FORD) نے اپنی کتاب "EDUCATION AND SOCIAL PURPOSE میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

اوّلین طور پر تعلیم کے مقصد کو سماج کی روایات اور اس کے موجودہ اقدار پر پرکھنا چاہیئے کیونکہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر اس کی خصوصیات اور بقا منحصر ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان دفعتاً کوئی بے ربطی نہ پیدا ہو۔ اس کی بجائے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ترقی کی ہر کوشش سماج کے مسلّم اقدار کی بنیاد پر ہو [2]

ایک اور ماہر تعلیم VERNON MALLINSON کی شہادت میں اس سے زیادہ یقین اور صراحت سے کام لیا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

ایک قسم کا ذہنی منشور جو پورے معاشرہ کے مشترکہ مقصد اور مشترکہ کوششوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ایک طرح یہ بڑے پیمانہ پر قومی جذبہ کی عکاسی کرتا ہے۔ اور ان خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے جو معاشرہ کے نصب العین کی خوبی کے لیے ضروری ہوتا ہے [3]

مغرب اپنے سیاسی نظاموں اور مکاتیب خیال کے اختلاف، نیز اپنے مشرقی و مغربی کیمپوں اور اپنی ساری قومی بیماریوں اور نقائص اور خامیوں کے باوجود اس تعلیمی پالیسی پر پوری طرح کاربند ہے۔ اور تعلیم و تربیت کے تمام شعبوں میں اس نے اس کو بتمام و کمال نافذ کر رکھا ہے۔ اور اس کے تمام تعلیمی پروگرام اور تعلیمی پالیسیاں اسی مقرر کردہ اصول کی تابع ہیں۔

سوویت یونین میں جو انقلابی ذہن اور اپنی انتہا پسندی میں مشہور ہے اس اصول کو نافذ اور جاری کرنے میں سرمایہ دارانہ جمہوری حکومتوں سے پیچھے نہیں رہا،

---

[1] I.N. THUT ANDDON ADAMS : EDUCATION PATTERNS IN CONTEMPORARY SOCIETIES "MCGRAW HILL BOOK CO. NEWYORK - PAGE. 63

[2] "نحو التربیة الاسلامیة الحرة"

[1] اس کی تائید میں ملاحظہ ہو مشہور ماہر تعلیم جان ڈیوی کی فن تعلیم پر تصنیفات اور تحریریں نیز مقالہ (EDUCATION) مندرجہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکہ۔

[2] "F.W. GARFORD' EDUCATION AND SOCIAL PURPOSE" LONDON (1962) P. 146/47

[3] AN INTRODUCTION TO THE STUDY OF COMPARTIVE EDUCATION London 1957 (Page - 4)

بلکہ شاید اپنے اشتراکی نظریہ کی حفاظت اور انقلابی روح کی بنا پر اس اصول کو عملی جامہ پہنانے میں وہ ان ممالک سے بھی آگے ہے۔

ایک سرکاری حکم نامہ مجریہ ۱۲ نومبر ۱۹۵۸ء میں یہ کہا گیا ہے۔

"ان خصوصیات کے حصول میں سماجی علوم (SOCIAL SCIENCES) کی تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مارکسزم، لینن ازم کے مبادیات کا علم ہر فن کے ماہرین کے لیے اشد ضروری ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی تربیت اس طرح ہونی چاہیئے کہ ان میں بورژوا نصب العین اور احیاء پرستی کے خلاف تعصب کی روح سرایت کر جائے۔ ؎"

یہی وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے مغرب اس نقصان سے محفوظ رہا۔ جس کا شکار مشرق کے اسلامی و غیر اسلامی ممالک سب ہیں۔ چنانچہ آج مغرب میں عوام اور قیادت یا جمہور اور حکومت میں کسی گہری اور وسیع نظریاتی، ذہنی و فکری خلیج کا سراغ نہیں ملتا وہاں صرف ایک طرز اور ایک آئیڈیل اور ایک قسم کے اصول و نظریات اور مقاصد و نصب العین پائے جاتے ہیں۔ وہاں مختلف طبقات اور سوسائٹی کے افراد کے درمیان کسی قسم کی ذہنی اور نفسیاتی رسہ کشی نہیں اور اسی وجہ سے یہ ممالک اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے محفوظ ہیں۔

مغرب کے بعد ان مشرقی ممالک کا نمبر آتا ہے۔ جو مدت دراز سے اپنا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے اور ان کو ان حقائق پر یقین نہیں جن کی ایمان بالغیب اور انبیاء کی تعلیمات و ہدایات پر بنیاد ہے۔ ان کے پاس متعین آسمانی تعلیمات یا محفوظ آسمانی صحیفے بھی نہیں ہیں۔ وہ صرف ان قومی روایات اور جماعتی و شخصی مفادات کی حامل ہیں جن کو یہ تعلیمی نظام اور پروگرام چیلنج نہیں کرتے اور کسی جگہ ان دونوں کا کراؤ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ممالک بھی اسی طرح اس تضاد سے محفوظ ہیں جو مغربی نظام تعلیم پیدا کرتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انہوں نے اس نظام تعلیم سے صلح و صفائی کر لی ہے۔ اور دونوں میں پوری مفاہمت پائی جاتی ہے یا انہوں نے اپنے آپ کو ان تعلیمی و تربیتی نظریات کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ اور اسی لیے انقلاب اور سازشوں کا تناسب یہاں بہت کم اور تضاد بھی بہت کم یا اتنا کمزور ہے کہ قومی زندگی پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ ملک سے غداری اور قومی خیانت کے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں، اور یہاں بھی عوام اور رہنما طبقہ میں وہ وسیع خلیج حائل نہیں ہے جو ہمیں اسلامی ملکوں میں نظر آتی ہے۔ ان ممالک کے امراض اور ان کے عیوب دوسری نوع کے ہیں۔ اور اس کے اسباب و عوامل بھی بالکل دوسرے ہیں جن کا تعلق ان کی تاریخ ان کے قومی مزاج مخصوص عقائد دینی حاسہ کی کمزوری، شعور کی کمی اور نظام تعلیم و تربیت کے فساد سے ہے۔

جہاں تک اسلامی ممالک کا تعلق ہے۔ وہاں یہ کشمکش اور عجیب تضاد بڑے وسیع پیمانہ اور مختلف سطح پر پایا جاتا ہے۔ وہاں ایک طرف حکومت اور جمہور میں کشمکش ہے۔ دوسری طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے یا ناخواندہ لوگوں میں رسہ کشی ہے۔ تیسری طرف دیندار اور آزاد خیال اور ترقی پسند افراد دست و گریباں ہیں اور یہ سب نتیجہ ہے اس نظام تعلیم کا جو مغربی ملکوں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ یا مغربی ذہن اور نظام تعلیم کے خطوط پر خود ان ملکوں میں تیار کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی نسل پیدا ہو رہی ہے جو ان عقائد اور حقائق کو پوری طرح ہضم اور قبول نہیں کر پاتی، جن پر اس کے معاشرہ اور اس امت کی بنیاد ہے۔ اس لیے کہ یہ نظام تعلیم جس طرح کے خیالات کی آبیاری اس کے دل و دماغ میں کرتا ہے وہ ان حقائق اور عقائد سے کھلے طور پر متصادم ہیں جو اس معاشرہ کے لیے ناگزیر ہیں اگر کبھی خارق عادت طریقہ پر یا کسی بیرونی اثر سے وہ اس کو قبول کرتی ہے، تو لازماً اس کے نتیجہ میں یہ نظام تعلیم ضرور کمزور پڑتا اور دبتا ہے۔ لیکن ایسا بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔

جب یہ طبقہ اس نظام کی آغوش میں تربیت پا کر نکلتا ہے۔ تو قوم کے عقیدہ خیالات اور جذبات سے اس کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے، اگر وہ قوی الارادہ ہوتا ہے تو وہ رجعت پسندی کے ملبے کو (جیسا کہ اس طبقہ کے معین افراد یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں) راستے سے ہٹا کر اپنی قوم و ملک کو ماضی کے بارگراں سے رہائی بخشنا چاہتا ہے اس موقع پر ایک ایسی طویل کشمکش برپا ہوتی ہے۔ جس پر ملت کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں بے دریغ خرچ ہوتی ہیں اور اندرونی خانہ جنگیوں کا ایسا طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جو بیرونی جنگوں سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ ان ممالک کا قصہ ہے۔ جہاں ایسی قیادتیں برسر اقتدار تھیں جو انقلابی، قوم پرستانہ اور لادینی فلسفوں اور دعوتوں پر یقین رکھتی تھیں۔

اگر اس طبقہ کی قوت ارادی کمزور ہوتی ہے۔ اور وہ طاقتور شخصیت سے محروم ہوتا ہے۔ تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اندر ان عقائد اور مقاصد کی طرف سے دلی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ آئے دن اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا ہے۔ غیر ملکوں اور بیرونی طاقتوں سے ساز باز کر لیتا ہے اور عوام کے قومی جذبہ اور دباؤ اور علماء و دعوت دین کے علمبرداروں کے اثر و رسوخ سے پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں غداری کے واقعات بار بار پیش آتے ہیں اور یہ ممالک مستقل طور پر بے یقینی خوف و دہشت ذہنی انتشار اور شبہ و بے اعتمادی کی فضا میں رہتے ہیں۔

اس غیر فطری اور غیر ضروری صورتحال سے چھٹکارا پانے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ اس پورے تعلیمی نظام کو یکسر تبدیل کر دیا جائے اور اس کو ختم کر کے نئے سرے سے ایک نیا نظام تعلیم تیار کیا جائے جو اس ملت اور امت کے قد و قامت پر راست آتا ہو اور اس کی دینی و دنیاوی ضروریات پوری کر سکتا ہو۔

یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی سب سے اہم اور ناگزیر ضرورت، وقت کی آواز اور اسلامیان عالم کا سب سے بڑا فرض ہے۔

اس مسئلہ کا حل خواہ وہ کتنا ہی دشوار نظر آ رہا ہو اور صبر آزما اور وقت طلب ہو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام تعلیم کو از سر نو ڈھالا جائے اور اس کو امت مسلمہ

کے خدا ندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے اور اس کے تمام اجزاء سے مادیت، خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت اور جسم و خواہشات کی پرستش کی روح اور اسپرٹ کو ختم کیا جائے اور اس کے بجائے تقویٰ، انابت الی اللہ، آخرت کی اہمیت اور فکر اور پوری انسانیت پر شفقت کی روح اس میں جاری و ساری کر دی جائے۔ اس مقصد کے لیے زبان و ادب سے لے کر فلسفہ اور علم النفس تک اور علوم عمرانیہ سے لے کر اقتصادیات و معاشیات تک صرف ایک روح پیدا کرنا ہوگی، مغرب کے ذہنی غلبہ اور تسلط کا خاتمہ کرنا ہوگا اس کی قیادت و امامت کا انکار کرنا پڑے گا۔ اس کے علوم و نظریات پر علمی تحلیل و تجزیہ اور بے لاگ تنقید کا مسلسل اور جرأت مندانہ عمل کرنا ہوگا، اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مغرب کی کامیابیوں اور پیش قدمیوں نے انسانیت اور تہذیب کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

اس کے علوم کے ساتھ مواد خام (RAW MATERIAL) کا سا معاملہ کرنا ہوگا۔ اور اس سے وہ چیزیں تیار کرنا ہوں گی جو ان قوموں اور ملکوں کی اپنی ضروریات رجحانات اور ان کے عقیدہ و تہذیب سے ہم آہنگ ہوں۔

"اس راہ میں اگرچہ بہت سے سنگ گراں ہیں اور نتائج بھی بہت تاخیر سے ظاہر ہو سکتے ہیں، لیکن یہ "تجدد پسندی"، آزاد خیالی، اور مغرب کی ذہنی غلامی کی اس طوفانی موج کو روکنے کا واحد طریقہ ہے۔ جس نے عالم اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اور اسلام کے فکری و اجتماعی ڈھانچہ اور ملت ابراہیمی کے شیرازہ کے لیے ایک چیلنج بن گئی ہے۔ اور جس کے نتیجے میں مسلم اقوام کے پرجوش اسلامی جذبات ان کی سادہ دلی اور گرم جوشی ان کی قربانیاں اور سرفروشیاں اور اخلاص و وفا کی قیمتی سوغات (جس کا ان حکومتوں کے قیام اور غیر ملکی اقتدار سے آزادی میں سب سے بڑا اور براہ راست دخل ہے۔) افرنگیت اور مغربیت کے تنور کی حقیر ایندھن بن رہی ہے، سادہ لوح، بے زبان، پیچھے اور مخلص مسلم عوام، خاموشی اور سکون کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کی طرح نامعلوم منزل کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور یہ طبقہ ان کی قسمت کا مالک بن گیا ہے۔ (نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ۔ ص ۴۳-۴۵)

کیا آج کوئی اسلامی ملک اور کوئی اسلامی حکومت، کوئی بڑی اسلامی یونیورسٹی اس آواز پر لبیک کہہ سکتی ہے۔ اور اپنی ساری کوششیں، توجہات اور ذرائع و وسائل اس اہم تعمیری اور انقلابی نقطۂ آغاز پر مرکوز کر سکتی ہے جو بالآخر عالم اسلام کو اس سب سے بڑے خطرہ اور چیلنج سے بلکہ مکمل تخریب کے اس عمل سے رجو جاری ہے اور جس سے بڑی عمومی، ہمہ گیر، دور رس قومی تباہی و بربادی چین اقوام و مذاہب اور تہذیب و تمدن کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، بچا سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ (۲-۱۹۵)

(ترجمہ :- اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) (باقی ۲۷ پر)

بقیہ : سعد بن ابی وقاص

مستعدی غایت درجہ کی تھی۔

وفات اور مدفن :- تمام چینی مسلمان بالاتفاق قائل ہیں کہ وائی شن تزی نامی مسجد آنحضرت صلعم کی یادگار کے طور پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس کا سنگ بنیاد سعدؓ بن ابی وقاص نے رکھا تھا، اور انہوں نے اس شہر کو اپنا مسکن بنایا، یہیں رہے اور یہیں فوت ہوئے۔ چنانچہ ان کی قبر شہر کے باہر موجود ہے۔ جس کے پتھر پر تحریر ہے کہ اس قبر میں مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے ایک عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں سعدؓ بن ابی وقاص مدفون ہیں۔[۱] اس کی ایک سند یوں ملتی ہے کہ ۶۳۲ء میں جب کہ تسیخ کوان بادشاہ چین تھا۔ اس نے جاپخ آن شہر میں سعدؓ بن ابی وقاص کے علم و فضل سے متاثر ہو کر مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت سعدؓ کی تبلیغ کا یہاں کے لوگوں پر بہت اثر ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد نان کن اور کان تو سے کے شہروں میں بھی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت سعدؓ کان تون سے عرب جانے کے لیے سوار ہوئے۔ پھر واللہ اعلم بالصواب۔[۲]

تاریخ[۳] کی کتابوں میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ لکھتے ہیں کہ آپ ۵۴ھ کچھ کہتے ہیں۔ ۵۵ھ میں بعمر ۷۰ یا ۸۰ سال فوت ہوئے۔ یہاں مؤرخین کا اجماع ہے کہ آپ سب سے طویل العمر صحابی تھے اور وادئ عقیق میں مدینہ منورہ سے سات میل کے آپ اپنے محل میں فوت ہوئے وہاں سے لوگ ان کو کندھوں پر اٹھا کر مدینہ لائے اور مروان بن حکم جو ان دنوں مدینہ کا والی تھا۔ آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ۵۵ھ میں آپ جنت البقیع کے گورستان میں دفن کر دیے گئے۔

۱۔ ترجمہ الکمال فی اسماء الرجال۔

۲۔ چین میں اسلام کب پہنچا۔ بدر الدین ترجمہ مولانا صادق جمیلی، ماہنامہ المعارف اگست ۷۶ء، ص ۳۸۔

۳۔ تاریخ اسلام ڈاکٹر شاہ خان نجیب آبادی، طبری۔ سلسلہ دار المصنفین، معارف پریس اعظم گڑھ۔

یہ تھے اسلام کے مجاہد

بدر کا معرکہ ایثار و جانبازی کا عجب معرکہ تھا۔ آسمان نے ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نظریے نے نسل و خون اور زبان و وطن کے رشتے ختم کر دیئے تھے۔ ایک طرف دین حق کے علمبردار تھے اور دوسری طرف کفر و باطل کے طرفدار۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن (جو ابھی تک کافر تھے) جنگ کے میدان میں نکلے، تو ابوبکرؓ ان کے مقابلے کے لیے بڑھے۔ عتبہ میدان میں آیا، تو اس کے بیٹے حضرت ابوحذیفہؓ مدِ مقابل آئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سراپا رحمت و شفقت تھے۔ انہیں روک دیا۔ عین گھمسان کی جنگ میں حضرت عمرؓ کی اپنے ماموں عاص سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور عاص کا کام تمام کر گئی۔

سعید بن العاص کا بیٹا عبیدہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا میدان میں آیا اور پکارا۔

"میں ابوکرش ہوں"

حضرت زبیرؓ بن العوام مقابلے میں نکلے۔ نیزہ بازی شروع ہو گئی۔ زبیرؓ نے عبیدہ کے مسلسل کئی وار بڑی چابک دستی سے روکے اور پھر آنکھ میں تاک کر ایسا برچھا مارا کہ کھوپڑی کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ عبیدہ زمین پر گرتے ہی مر گیا۔ برچھا اس طرح کھب گیا تھا کہ زبیرؓ نے لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا، تو بڑی مشکل سے نکلا، دونوں سرے ٹیڑھے ہو گئے۔ زبیرؓ کو بدر کے معرکے میں کئی کاری زخم لگے۔ شانے کا زخم اتنا گہرا تھا کہ مندمل ہو جانے پر بھی اس میں انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ ان کے بیٹے عروہ بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے۔ جس تلوار سے لڑے تھے، اس میں لڑتے لڑتے دندانے پڑ گئے تھے۔

زبیرؓ کا یہ برچھا اور تلوار تاریخی یادگار بن گئے۔ برچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لیا، پھر چاروں خلفاء کو منتقل ہوتا رہا اور آخر کار حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس آیا۔ تلوار عبداللہ بن زبیرؓ سے عروہ کو ملی۔ انہوں نے اس کی قیمت لگائی، تو تین ہزار درہم ٹھہری۔

معرکہ کارزار گرم تھا۔ عبدالرحمٰن ابنِ عوفؓ ایک دشمن کی طرف بڑھے ہی تھے کہ دو انصاری نوجوان آ پہنچے۔ ایک عمرو بن جموح کے صاحبزادے معاذؓ تھے اور دوسرے عفراء کے بیٹے معوذؓ۔

"ابوجہل کہاں ہے؟" معاذؓ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"برادر زادہ، ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرو گے؟" عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔

"میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اس دشمن دین کو جہاں بھی دیکھوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود مارا جاؤں گا۔" معاذ نے کہا۔

عبدالرحمٰن ابھی جواب بھی دینے نہ پائے تھے کہ معوذؓ نے بھی یہی سوال ان کے کان میں پوچھا۔ ابوجہل اس وقت لشکر کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف نوجوانوں نے نیزوں کی ایک دیوار سی بنا رکھی تھی۔ عبدالرحمٰن نے اشارے سے بتایا۔

"وہ ابوجہل کھڑا ہے۔"

دونوں نوجوان اس طرف چل دیئے اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر موقع ہاتھ آ گیا، وہ باز کی طرح جھپٹے۔ معاذؓ نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ تلوار ابوجہل کی نصف پنڈلی کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ زخمی چیتے کی طرح چیخا۔ عکرمہ اپنے باپ کی چیخ سن کر پہنچ گیا۔ پیچھے سے معاذؓ کے بائیں شانے پر تلوار ماری، بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذؓ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذؓ کے ہٹتے ہی معوذؓ نے ابوجہل پر کاری ضرب لگائی اور وہ خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ معاذؓ کٹے ہوئے بازو کے ساتھ ہی لڑتے رہے، لیکن ہاتھ لٹکنے سے لڑنے میں رکاوٹ بھی ہوتی تھی اور تکلیف بھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا، تسمہ بھی الگ ہو گیا اور وہ بے روک ٹوک لڑنے لگے۔ معاذ ایک ہاتھ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے عہد تک زندہ رہے۔ اس عرصے میں کئی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔

(۲)

اُحد کے دامن میں قیامت کا رَن برپا تھا۔ مسلمانوں کی اجتہادی خطا سے جنگ کا نقشہ پلٹ گیا تھا۔ جیتی ہوئی جنگ، شکست میں بدلتی نظر آ رہی تھی۔ کفار کی گھڑ سوار فوج کے کمانڈر خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کر دیا تھا اور مسلمان دو اطراف سے گھر گئے تھے اور اسی بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ کافروں کے حملے کا بڑا ہدف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی۔ حضور ایک گڑھے میں گر جانے اور خود کی کڑیاں پیشانی میں گڑ جانے سے زخمی ہو گئے تھے۔ تیس صحابہ گرد و پیش حلقہ کیے دیوانہ وار دفاع کر رہے تھے۔ سات انصاری یکے بعد دیگرے اپنی جانیں نچھاور کر چکے تھے۔ ابوطلحہؓ انصاری کے ہاتھ سے

تین کمانیں ٹوٹ چکی تھیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سینہ سپر کھڑے تھے۔ آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمن کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے

"حضور! گردن نہ اٹھائیں، مبادا کوئی تیر لگ جائے یہ میرا سینہ سامنے ہے"

طلحہؓ بن عبید اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ستر زخم کھا چکے تھے۔ ایک کافر نے تلوار کا وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا، تو اسے ہاتھ پر روکا اور ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔

مسلمانوں کی سرفروشی نے انہیں شکستِ فاش سے بچا لیا۔ بدحواسی میں منتشر ہو جانے والے لوگ پھر جمع ہو گئے اور بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہو گئے۔ کفار نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ مسلمانوں کو زبردست جانی نقصان پہنچا ہے۔ وہ اگلے سال پھر آنے کا چیلنج دے کر چلے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدا کی تدفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ شہدا کی لاشیں آنے لگیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نہایت بہادری سے لڑ کر جان دی تھی۔ سعد بن ربیعؓ کی بہادری اور شجاعت کا مشاہدہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ ان کی لاش ابھی تک نہیں آئی تھی۔ فرمایا۔

"کوئی ہے جو جا کر دیکھے سعد جیتے ہیں یا شہید ہو چکے ہیں" ایک انصاری نے عرض کی۔

"اے اللہ کے رسولؐ، میں دیکھتا ہوں"

چنانچہ وہ میدان میں تلاش کرنے لگے۔ ایک جگہ دیکھا کفار کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہے اور ان کے درمیان سعدؓ بن ربیع زخموں سے چور پڑے ہیں۔ ابھی رمق باقی ہے۔ انصاری نے کہا،

"سعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور تمہارا حال پوچھا ہے"

سعد کے زرد چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی اور ڈوبتی ہوئی نبضیں تیز ہو گئیں بولے۔

"میرا سلام رسول اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کرو اور کہو، سعد کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو جزائے خیر دے، مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ میری قوم انصار کو بھی میرا سلام کہو اور انہیں یہ پیغام دو، اگر تم نے اللہ کے نبی کو تنہا چھوڑ دیا، تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔

اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

انہی میں انس بن لضیرؓ تھے۔ بدر کی جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے "اے اللہ کے رسولؐ، پہلی جنگ میں تو میں آپ کی معیت میں کفار کے خلاف لڑنے سے محروم رہا تھا، آئندہ کوئی موقع ملا، تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کس طرح لڑتا ہوں" اور انہوں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔

خالد بن ولید کے عقب سے حملہ آور ہونے کے بعد مسلمانوں میں افراتفری مچی، تو انسؓ پکار اُٹھے۔

"اے اللہ یہ لوگ (مسلمان) جو کچھ کر رہے ہیں، میں تیری بارگاہ میں ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں اور دین کے دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت پناہ کا طلب گار ہوں" پھر تلوار سونت لی اور تیزی کے ساتھ اس طرف بڑھے جہاں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ راستے میں سعد بن معاذؓ مل گئے۔ ان سے کہنے لگے،

"سعد! مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، بالکل اُحد کے پیچھے سے"

پھر آگے بڑھے۔ راستے میں کچھ مسلمان بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ کہا! لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

"ہم نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں، تو پھر اُن کے بعد یہ زندگی کس کام کی ہے۔ آؤ، دشمنوں کے ساتھ لڑو اور جس حق پر حضور نے جان دی ہے تم بھی اپنی جانیں دے دو۔

یہ کہہ کر آگے بڑھے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر ستر زخم تھے۔ کثرتِ زخم چہرے پر تھے اور پہچانے نہ جاتے تھے ان کی بہن نے ان کی لاش انگلیاں دیکھ کر پہچانی۔

انہی شہدا میں خیثمہؓ تھے۔ ان کے صاحبزادے ابوسعد بدر کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اُحد کی جنگ سے پہلے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی!

"اے اللہ کے رسولؐ، میں جنگِ بدر میں شرکت نہ کر سکا تھا، حالانکہ میری بڑی خواہش تھی۔ ابوسعدؓ کا اصرار تھا کہ میں جاؤں گا، میں جوان بھی ہوں اور تندرست توانا بھی، چنانچہ ہم نے قرعہ اندازی کی، قرعہ ابوسعد کے نام پڑا۔ اللہ نے اسے شہادت کی سعادت عطا فرمائی۔ میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے، نہایت اچھی حالت میں ہے اور جنت کے میووں اور نہروں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے، "ابا جان، اللہ نے جو وعدے فرمائے تھے انہیں میں نے برحق پایا ہے"

اے اللہ کے رسولؐ، میرا دل جنت میں اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے مشتاق ہے، میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے وہ مجھے شہادت نصیب کرے اور جنت میں سعد کی رفاقت عطا کرے"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دُعا فرمائی۔ ان کی تمنا بر آئی، وہ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے اپنے بیٹے کے ساتھ جنت میں جا ملے تھے۔ ان کا جسم بھی زخموں سے چور چور تھا۔

انہی سعید اور بہادر انسانوں میں عمروؓ بن الجموح بھی تھے۔ پاؤں میں لنگ تھا۔ شرعاً معذور تھے، لیکن دل شہادت کے شوق سے معمور تھا۔ جنگ کی منادی سُن کر نکلنا چاہا، تو بیٹوں نے روکا کہ ہم خود رسول اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرض ساقط کر دیا ہے، آپ گھر میں بیٹھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ اے اللہ

کے رسولؐ! میرے بیٹے مجھے جنگ میں شامل ہونے سے روکتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم لنگڑے ہو، میری تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں اور اس لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت میں گشت کروں اے اللہ کے رسولؐ، اُمید ہے کہ آپ مجھے شہادت سے محروم نہیں رکھیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمروؓ، تم معذور ہو۔"

انہوں نے عرض کیا "نہیں حضورؐ! مجھے نہ روکیے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادوں سے فرمایا "اگر یہ مصر ہی ہیں تو انہیں نہ روکو، شاید اللہ نے ان کی قسمت میں شہادت کی موت لکھی ہے۔"

چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے، بڑی بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔

عمِ رسول حضرت حمزہ کی لاش لائی گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ ان کا ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔ سینہ چاک تھا اور کلیجہ نکال لیا گیا تھا۔ حمزہؓ ایک ہزار بہادروں پر بھاری تھے۔ انہیں ایک حبشی غلام وحشی نے دھوکے سے شہید کیا تھا۔ بدر میں ان کے ہاتھ سے قریشِ مکہ کے متعدد سردار مارے گئے تھے۔ انہی میں ایک جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی تھا۔ جبیر نے اپنے غلام وحشی کو ان کے قتل پر مامور کیا اور وعدہ کیا کہ اس کارگزاری کے صلے میں اُسے آزاد کر دیا جائے گا۔

حمزہؓ میدانِ جنگ میں شیر کی طرح حملے کر رہے تھے، وہ جس طرف بڑھ جاتے دشمن کترا کر نکل جاتا۔ ان کے ہاتھ سے کئی فوج کا علمبردار عثمان بن طلحہ اور کئی دوسرے سردار مارے جا چکے تھے۔ گھمسان کی جنگ میں ان کا سامنا سباع بن عبدالعزّیٰ سے ہو گیا۔ حمزہؓ اسے دیکھتے ہی پکارے:

"اے ختنہ کرنے والی عورت کے بیٹے، کیا تو اللہ و رسولؐ پر زبانِ طعن دراز کرتا تھا، ذرا آ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

یہ کہہ کر تلوار کی ایک بھرپور ضرب لگائی اور اُس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

وحشی ایک چٹان کی آڑ میں چھپا بیٹھا تھا۔ حمزہ سباع کو قتل کر کے بڑھے ہی تھے کہ اُس نے زہر میں بجھا ہوا چھوٹا سا نیزہ پھینکا۔ نیزہ ان کے ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے وحشی پر حملہ کرنا چاہا، مگر چند قدم چل کر لڑکھڑائے، گرے اور شہید ہو گئے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا باپ بدر میں ان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے جوشِ انتقام میں ان کی لاش کا مثلہ کیا اور کلیجہ نکال کر چبا لیا۔

انہی میں حنظلہؓ بن ابی عامر تھے۔ صرف ایک روز پہلے ان کی شادی ہوئی تھی۔ رات کے وقت جہاد کی منادی سُنی، جس حالت میں تھے اُٹھ کھڑے ہوئے، ہتھیار سنبھالے اور میدان میں پہنچ گئے۔ بڑی بہادری سے لڑے۔ ان کا باپ ابو عامر مدینہ کے ان غداروں میں سے تھا جو کفارِ قریش کو بدر کی جنگ کا انتقام لینے کے لیے اُکساتے تھے۔ حنظلہ نے اپنے باپ کے مقابلے میں جانے کی اجازت مانگی، مگر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دی۔

ابوسفیان قلبِ لشکر میں گھوڑے پر سوار کفار کی کمان کر رہا تھا۔ حنظلہ مارتے کاٹتے اس کے سر پر پہنچ گئے اور حملہ کر دیا۔ تلوار کا ایک ہاتھ جو مارا، تو ابوسفیان کے گھوڑے کی ٹانگ کٹ گئی۔ ابوسفیان زمین پر گر پڑا۔ حنظلہ اس کے سینے پر سوار ہو کر قتل کرنے ہی والے تھے کہ شدّاد ابن الاسود نے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

حنظلہ گھر سے روانہ ہوئے تھے، تو انہیں غسل کی حاجت تھی، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا:

"انہیں فرشتوں نے غسل دیا ہے۔"

یہ نوجوان اسلامی تاریخ میں "غسیلِ ملائکہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(۳)

محرم سنہ ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ افواجِ اسلامی سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں قادسیہ کے مقام پر ایرانیوں سے معرکہ آرا تھیں۔ ایرانی فوج کا کمانڈر ان کا عظیم الشان جرنیل رستم تھا۔ جنگ کا دوسرا روز تھا۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ سرفروش جانیں نچھاور کر کے سُرخرو ہو رہے تھے۔ سعد بیمار تھے، اس لیے جنگ میں شریک نہ تھے۔ قصرِ قادسیہ کے بالاخانے ہی سے افواج کی کمان کر رہے تھے۔ محل کے ایک کمرے میں ایک قیدی پابہ زنجیر بیٹھا تھا۔ بُشرے سے بے حد پریشان دکھائی دیتا تھا۔ اس کی نگاہیں میدانِ جنگ پر مرکوز تھیں، آنکھوں سے غم و حُزن ٹپک رہا تھا۔ حضرت سعد کی بیوی سلمیٰ کا کسی کام سے اِدھر گزر ہوا۔ قیدی اپنی بوجھل زنجیریں سنبھالتا ہوا اُٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا ان کے پاس پہنچا اور عرض کی:

"خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیجیے، لڑائی سے جیتا بچا، تو خود آکر زنجیریں پہن لوں گا۔"

سلمیٰ نے انکار کر دیا۔ غم و حسرت کے ساتھ قیدی اپنی جگہ پر پہنچا، ایک نگاہ میدانِ جنگ پر ڈالی جہاں سوار اور پیادے اللہ کی راہ میں جانیں دے رہے تھے، بے اختیار زبان پر شعر جاری ہو گئے۔ (ترجمہ)

"اس سے بڑھ کر غمناک بات کیا ہو گی کہ سوار نیزہ بازی میں مصروف ہیں اور میں قید میں پڑا ہوں۔

اٹھنا چاہتا ہوں تو زنجیریں اٹھنے نہیں دیتیں۔ دروازے اس طرح بند کر دیئے گئے ہیں کہ پکار پکار کر رہ جاتا ہوں، مگر کوئی کان نہیں دھرتا۔

ایک زمانہ تھا کہ میں بڑا مالدار اور برادری والا تھا، لیکن آج تن تنہا ہوں اور کوئی رفیق اور غمگسار نہیں۔

مجھے یہ غم کھائے جاتا ہے کہ ہر صبح طلوع ہونے والا سورج مجھے زنجیروں میں جکڑا ہوا اور خاموش پاتا ہے۔

گھمسان کا رن پڑ رہا ہے، لوگ جانبازی اور سرفروشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور میری حالت دِگرگوں ہے۔

اے خاتونِ محترم! میرے ہتھیار مجھے دیجیے، جنگ طول پکڑتی جاتی ہے۔

خدا کی قسم میں بدعہدی نہیں کروں گا، نہ دھوکے فریب سے کام لوں گا۔ زندہ بچ رہا تو واپس آجاؤں گا۔

اور مارا گیا تو گویا دل کی مراد پوری ہو جائے گی۔

قیدی کی آواز درد و سوز میں ڈوبی ہوئی تھی، گویا وہ خود نہیں بول رہا تھا اس کی حسرتِ دل اور شوقِ جہاد و غزا بول رہا تھا۔ سلمیٰ کا دل پگھل گیا۔ انہوں نے قیدی کی زنجیریں کھول دیں۔ قیدی نے نیزہ اٹھایا اور سعدؓ کے گھوڑے بلقا پر سوار ہو کر فراٹے بھرتا ہوا میدانِ جنگ میں جا پہنچا۔ پھر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ جس طرف کا رُخ کیا دشمن کی صفیں تہ و بالا ہوتی چلی گئیں۔ میمنہ سے میسرہ تک وہ برق رفتاری سے چکر کاٹ رہا تھا۔ دشمن اس پر بار بار حملہ آور ہوتا، مگر اس کے نیزے کی انی کے آگے کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ سارا اسلامی لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ اس کے ان برق آسا حملوں سے دوسرے مجاہدین میں بھی جوش و حرارت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت سعدؓ بھی بالاخانے پر بیٹھے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ یہ جری جوان کون ہے۔ گھوڑا تو ہو بہو ان کا بلقا ہے اور اس جوان کے حملوں کا انداز ابو محجن ثقفی کا سا ہے، مگر وہ تو قید میں ہے۔

جنگ کا فیصلہ اس روز بھی نہ ہو سکا۔ رات کو ابو محجن میدانِ جنگ سے لوٹ آیا اور زنجیریں خود بخود پہن لیں۔ اسلامی لشکر میں ہر طرف اس شہسوار کا چرچا تھا۔ عموماً یہی خیال تھا کہ وہ کوئی غیبی فرشتہ تھا جو مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنے آیا تھا۔ رات کو یہی ذکر حضرت سعدؓ کے دسترخوان پر چھڑ گیا۔ ان کی بیوی سلمیٰ کہنے لگیں "وہ ابو محجن تھا" اور ساری داستان سنا دی۔

ابو محجن کو حضرت سعدؓ نے شراب نوشی کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ اسی وقت اٹھے، اس کو رہا کر دیا اور فرمایا:

"جو شخص جہاد و غزا کا اس قدر شیدائی اور اسلام اور اہلِ اسلام پر اتنا نثار ہو، میں اسے شراب نوشی کی سزا نہیں دوں گا۔"

ابو محجن نے سنا، تو کہا: "میں شراب پیتا ہی اس لیے تھا کہ حد لگنے سے پاک ہو جاؤں گا۔ آج سے میں کبھی دخترِ رز کو منہ نہ لگاؤں گا۔"

(۴) چاندنی رات تھی، ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ ایرانی کیمپ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ طلیحہ، اسلامی فوج کی انٹیلی جنس کے ایک افسر اور نامور شہسوار، نہایت خاموشی سے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ ایرانی خیموں کے باہر فرشِ زمین پر لیٹے خراٹے بھر رہے تھے۔ کہیں کہیں خیموں سے آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ شاید وہ بیدار تھے اور بے فکر بیٹھے تھے کہ لشکر کے عین وسط میں کون شخص پہنچ سکتا ہے۔ طلیحہ ان سے بچتے بچاتے سارے کیمپ میں گھومتے پھرتے رہے۔ اب مشرقی اُفق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو چلا تھا۔ طلیحہ ایک بہت بڑے سفید خیمے کے قریب پہنچے۔ کچھ لشکری بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور کچھ پڑے سو رہے تھے پاس ہی ایک کوتل گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے دور سے ایک سائے کو آتے دیکھا، تو سمجھے کہ اپنی ہی فوج کا کوئی آدمی ہے۔ سایہ قریب پہنچا تو ایک عرب کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ ابھی وہ عالمِ حیرت میں دیکھ ہی رہے تھے کہ طلیحہ نے تلوار نکالی، گھوڑے کی باگ کاٹ کر ہاتھ میں لی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دونوں گھوڑے چشم زدن میں ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں ایرانی بھی سنبھل چکے تھے، وہ شور مچا کر پیچھے دوڑے۔ سارے کیمپ میں ہلچل مچ گئی۔ "پکڑو پکڑو" کا شور ہر طرف برپا ہو گیا۔ لوگ زین کے بغیر ہی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

صبح کی روشنی خاصی پھیل چکی تھی۔ دشمن ابھی تک طلیحہ کا پیچھا کر رہے تھے۔ تین شہسوار تو بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ کے بعد دشمن کا ایک شہسوار ان کے سر پر تھا۔ اس نے طلیحہ پر حملہ کرنے کے لیے نیزہ بلند کیا۔ طلیحہ نے گھوڑے کو فوراً کاوا دیا اور ایک طرف ہو گئے۔ ایرانی شہسوار اپنے زور میں آگے نکلتا چلا گیا۔ طلیحہ نے تلوار اس انداز سے لہرائی کہ اس کا گھوڑا بھڑک اٹھا اور ایرانی منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ طلیحہ نے اپنا نیزہ اس کی پشت میں پیوست کر دیا۔ اس عرصے میں دوسرا شہسوار بھی پہنچ گیا تھا۔ طلیحہ نے پھر وہی داؤ کھیلا، وہ بھی اوندھے منہ گرا۔ اس کے گرتے گرتے طلیحہ کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔ تیسرے شہسوار نے اپنے دو ساتھیوں کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا، تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ دونوں اس کے چچا زاد بھائی تھے اور ایک ایک ہزار شہسواروں کے برابر تھے۔ اس نے جوشِ غضب میں طلیحہ پر نیزے کا وار کیا، لیکن طلیحہ پہل کر چکے تھے۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور ساتھ ہی ایرانی زمین پر آ رہا۔ طلیحہ نے کہا:

"جان کی خیر چاہتے ہو، تو ہتھیار ڈال دو۔"

ایرانی نے حکم کی تعمیل کی۔ اس بھاگ دوڑ میں طلیحہ اس طرف جا نکلے تھے جہاں ایرانی فوج کا بایاں بازو جنگ کے لیے صفیں باندھ رہا تھا، مگر وہ ذرا بھی نہ جھجکے۔ اپنے قیدی کو لیے تلوار لہراتے دشمن کے لشکر کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔

طلیحہ اپنے قیدی کو لے کر کمانڈر ان چیف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا "کیا خبر لائے ہو؟"

"میں ان کے کیمپ کے اندر چلا گیا تھا اور رات بھر گھومتا پھرتا رہا۔ اپنے خیال میں ان کے ایک ممتاز آدمی کو پکڑ لایا ہوں۔ میں نے غلط کیا یا صحیح، یہ شخص موجود ہے۔ آپ اس سے دریافت کر لیجیے۔" طلیحہ نے کہا۔

ایرانی نے طلیحہ کی شجاعت اور بے خوفی کی بڑی تعریف کی جو ایک لاکھ سے زیادہ لشکر میں سے بڑی بے خوفی اور جرأت کے ساتھ نکل آئے تھے اور ایرانی لشکر کے متعلق بڑی اہم معلومات فراہم کیں۔ بعد ازاں مسلمانوں کے حسنِ سلوک، بہادری اور دیگر اخلاقی محاسن سے اس قدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کا نام مسلم رکھا۔ وہ طلیحہ

کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوا، وہ مسلمانوں سے اکثر کہا کرتا تھا۔

"خدا کی قسم، جب تک تم لوگ وفاداری، صدق و اخلاص، خیر و صلاح، غم خواری اور ہمدردی کے اوصاف سے بہرہ ور رہو گے تمہیں کبھی شکست نہ ہو گی"۔

(۵)

قادسیہ کی جنگ کا تیسرا روز تھا۔ عام جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک گرانڈیل ایرانی پہلوان اسلحے میں غرق میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ مسلمانوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا، وہ پھر چلایا "کوئی ہے جو میرے مقابلے میں آئے"۔ ادھر پھر خاموشی طاری رہی۔ اس نے پھر للکارا۔

اس کی للکار سن کر ایک پستہ قد مجاہد شبر بن علقمہ آگے بڑھے اور پکارے،

"اے مسلمانو! میں اس کے مقابلے میں جاتا ہوں اور اس کا سر غرور خاک میں ملاتا ہوں"

وہ تلوار اور نیزہ سنبھالے مقابلے میں جا پہنچے۔ ایرانی نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر حقارت بھرا قہقہہ لگایا۔ شبر پیدل تھے۔ ایرانی بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ شبر نے اس گرانڈیل پہلوان کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ اسے قتل کرنے کے لیے اپنی تلوار نکالی۔ ایرانی نے اپنے گھوڑے کی رسی کا سرا ٹیکے سے باندھ رکھا تھا۔ شبر نے تلوار نکالی، تو گھوڑا بدکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ شبر اور ایرانی دونوں اس کے ساتھ گھسٹتے چلے گئے۔ لیکن شبر بڑی مضبوطی سے اس کے سینے پر سوار تھے۔ ایرانی چلانے لگے۔ شبر نے باآواز بلند کہا۔

"تم خواہ کتنا ہی چلاؤ، میں اسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا"۔ چنانچہ گھسٹتے گھسٹتے ہی انہوں نے ایرانی کو قتل کر دیا۔

مسلمانوں کی صف سے اللہ اکبر کا ہیبت ناک نعرہ گونجا۔ ایرانی صفوں پر مردنی چھا گئی۔ شبر بڑے اطمینان سے اس کے سینے پر سے اٹھے، اس کا سامان لیا اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر اپنے لشکر میں آ گئے۔

(۶)

یرموک کی جنگ کا آخر کار فیصلہ ہو گیا۔ رومی قیصر ہرقل اپنی ساری قوت مسلمانوں کے اس سیلاب کو روکنے کے لیے لے آیا جو صحرائے عرب سے اٹھا تھا اور جس کے آگے بڑے بڑے لشکر خس و خاشاک کی طرح بہہ نکلے تھے ایک اور چھ کا مقابلہ تھا، مگر مسلمان نہایت عزم و ہمت سے لڑے۔ اسلامی تاریخ میں جرأت و شجاعت، شوقِ شہادت اور سرفروشی کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ رومی لشکر بالکل تباہ ہو گیا۔ میدان جنگ ہی نہیں، دریائے یرموک بھی لاشوں سے پٹ گیا۔ تین ہزار مسلمان بھی زخمی اور شہید ہوئے۔ ان میں بڑے بڑے نامور بہادر اور شہسوار تھے۔

جنگ ختم ہو چکی، تو مسلمان اپنے زخمیوں اور شہدا کو جمع کرنے کے لیے میدان میں بکھر گئے۔ حارث بن ہشام ہاتھ میں چھاگل لیے میدان میں پھر رہے تھے۔ ان کی نظر اپنے بھائی سلمہ بن ہشام پر پڑی جو زخموں سے چور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ انہوں نے اشارے سے پانی مانگا۔ حارث پانی کی چھاگل ان کے منہ سے لگانے کے لیے جھکے ہی تھے کہ چند قدم کے فاصلے سے کسی زخمی کے کراہنے کی آواز آئی اور پھر اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "پانی"۔

ہشام نے اشارے سے کہا "پہلے میرے پڑوسی کو پلاؤ"۔

حارث اس کی طرف بڑھے، دیکھا، عمرو بن سعید ہیں۔ حارث نے چھاگل ان کے منہ سے لگائی ہی تھی کہ قریب سے ایک اور زخمی نے پانی مانگا۔ عمرو بن سعید نے منہ ہٹا لیا اور اشارے سے کہا کہ پہلے اسے پلاؤ۔ حارث اس زخمی تک ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ اس نے دم توڑ دیا۔ حارث جلدی سے عمرو کے پاس آئے، ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اب وہ دوڑے دوڑے اپنے بھائی کے پاس پہنچے، لیکن وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔

یہ ایثار اور بے نفسی کی ایک عظیم الشان مثال تھی۔ تینوں پیاسے دنیا سے رخصت ہو گئے، مگر انہوں نے اپنے دوسرے بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہ کیا۔

بقیہ : نظام تعلیم کی اہمیت

دوسری جگہ ارشاد ہے :

"ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق۔ (۱۷-۳۱)

(ترجمہ :- اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔

یہ قتل معنوی اس قتل جسمانی سے کسی طرح کمتر نہیں، اس زود اثر اور مہلک زہر میں جو چشم زدن میں انسان کو موت کی نیند سلا دے اور اس زہر میں جس میں انسان گھٹ گھٹ کر مرے نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اور قرآن مجید نے دونوں سے منع کیا ہے۔

"ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ (۴-۲۹)

(ترجمہ :- اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو شک نہیں کہ خدا تم پر مہربان ہے۔

انور حارث

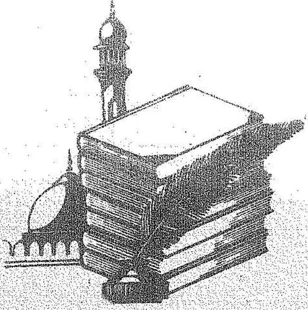
سیرتِ کانفرنس

ہم سے کیا حق ہو ادا طاعت و دلسوزی کا
درس کب ہم نے لیا ہے تپش اندوزی کا
شعلۂ عشقِ نبیؐ سرکش و بیباک نہیں
ذکرِ اقدس پہ کوئی آنکھ بھی نمناک نہیں
جذبۂ غازی[1] لاہور و کراچی[2] کیا تھا ؟
ہم کو سر[3] دادۂ دلّی کا نہیں ہے اندازہ
جان پر کھیلے ہیں ناموسِ پیمبرؐ کے لیے
رقص بردار کیا خاطرِ دلبر کے لیے
قلبِ مسلم میں یہی شمع فروزاں ہو اگر
نگہِ خاک بسر چیر دے قسور کا جگر
ورنہ سب موردِ الزام "جوابِ شکوہ"
اب جگر تھام لیں کھلنے کو ہے بابِ شکوہ
"قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں"



[1] علم الدینؒ [2] عبدالقیومؒ [3] عبدالرشیدؒ

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا



تقریظ و تنقید

سبیل الرشاد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ برصغیر کے ایک ایسے صاحب علم و تقویٰ اور صاحب عمل و عرفان بزرگ تھے کہ ایسے لوگ مدتوں میں خال خال پیدا ہوتے ہیں۔ آپ جہاں علم کے بحر ذخار تھے وہیں عمل و مجاہدہ میں اپنی مثال آپ!

انگریز کے ابتدائی دور میں آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کی سرکردگی اور اپنے رفقاء کی معیت میں جن جہادی سرگرمیوں میں حصہ لیا وہ تاریخ کا ایک انمٹ باب ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے خاک گنگوہ میں بیٹھ کر علم و عرفان کے جو جواہر بکھیرے اور جیسے جیسے صاحبانِ علم و فضل آپ کی درسگاہ سے نکل کر میدانِ عمل میں آئے ان کی مثال دُور دُور ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی۔

اس کے علاوہ آپ نے اپنے "قلم" سے جو خدمت کی وہ آپ کی اجلی سیرت کا ایک مستقل باب ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ کے متعدد چھوٹے بڑے رسائل پیش کئے جا سکتے ہیں جو "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی شاندار مثال ہیں۔

زیر نظر رسالہ جس میں تقلید شخصی، آمین بالجہر اور رفع یدین جیسے خالص علمی مسائل پر انتہائی عالمانہ انداز میں گفتگو فرمائی گئی ہے۔ دراصل کسی صاحب کی طرف سے بھیجے گئے سوالات کے جواب ہیں جو ابتداء میں حضرت شیخ عالم مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ المعروف کی سعی و کوشش سے منصۂ شہود پر آ گئے۔

یہ مسائل خالص علمی ہیں اس لیے ان پر سنجیدہ علمی گفتگو تو بلاشبہ صحیح اور درست ہے لیکن اس سلسلہ میں کوئی دوسرا انداز اختیار کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ قطب العصر گنگوہی نے جس علمی انداز متانت اور سنجیدگی سے ان مسائل پر خامہ فرسائی کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ آخر میں محض تقلید شخصی پر ایک علیحدہ مکتوب گرامی شامل ہے جو صاحبزادہ گرامی قدر حکیم عبدالرشید محمود صاحب کی وساطت سے ملا۔ اس طرح یہ کتابچہ بڑا وقیع ہو گیا ہے۔

جو حضرات ان مسائل کو علمی انداز سے سمجھنا چاہیں ان کے لیے یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور ہم ان سے اس کی مطالعہ کی درخواست کریں گے۔

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور سے سوا روپے میں یہ رسالہ دستیاب ہے۔

اصول دعوتِ اسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی کے متعدد رسائل و کتب پر ان سطور میں پہلے بھی تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ابھی حال ہی میں ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور کے نوجوان مکین صاحب ہمت مالکان نے شائع کی ہے۔

قارئین جانتے ہیں کہ اسلام بنیادی طور پر تبلیغی دین ہے۔ اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے "دعوت و تبلیغ" کے ذریعہ اس خدائی پیغام کو خلق خدا تک پہنچایا اور پھر اب تک آپ کے نام لیوا وہی طریق اپنائے ہوئے ہیں۔ امتِ مسلمہ کا بنیادی وصف اور دوسری اقوام و ملل کے مقابلہ میں اس کی برتری کا راز بھی دعوت و تبلیغ میں ہی مضمر ہے جیسا کہ قرآن و سنت کے متعدد ارشادات اس پر شاہد ہیں۔ ایک بات جس کا عام طور پر احساس ہوتا ہے یہ ہے کہ لوگ اس کار خیر میں حصہ لیتے ہیں اور خوب! لیکن اسلام کے اصول دعوت سے ناواقفیت کے پیش نظر اس راہ میں اکثر ٹھوکریں کھا جاتے ہیں۔ ایک ایسی جامع تحریر کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہو اور "مبلغین" کے لیے "گائڈ بک"

کا کام دے سکے۔

حضرت قاری صاحب نے اپنے فاضلانہ اور بالغ وبہار قلم سے یہ مقالہ لکھ کر ملت کے عام فرزندوں پر بالعموم اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے حضرات پر بالخصوص احسان عظیم کیا ہے۔

سترہ سے زائد ضمنی عنوانات کے تحت موصوف نے اس مسئلہ کی ایک ایک کو کیا ہے اور اس ضمن میں تاریخ کے بعض گوشے بھی نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔

آپ نے نہ صرف اصول دعوت اسلام کا ذکر فرمایا بلکہ دوسرے مذاہب کا دعوتی انداز سے منصفانہ جائزہ لے کر اسلام کی برتری بھی واضح کی ہے۔ اسلام کے دعوتی سفر کے مختلف انداز ذکر فرمائے ہیں۔ انواع دعوت کا ذکر کیا ہے۔ مبلغین کے لیے قیمتی نصیحتیں اور سامعین کے لیے اصول۔ حتیٰ کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے دعوت و تبلیغ کی جو اشد ضرورت ہے اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے آپ نے مسلم ممالک میں دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں سرد مہری اور دوسروں کے معاملہ میں بے جا رواداری پر مفصل کلام کیا ہے اور آخر میں چند صفحات میں "دستور العمل" کے عنوان سے ایک جامع پروگرام پیش فرمایا ہے جو اس معاملہ میں قیمتی دستاویز ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ "اصلاح امت" سے دلچسپی رکھنے والے افراد اس کتاب کو بار بار پڑھیں گے اور اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

ایک سو بیس صفحات کی یہ خوبصورت کتاب ادارہ اسلامیات سے ۴ روپے میں دستیاب ہے۔

فضائل و احکام شب برأت

شعبان المعظم کی پندرھویں شب جس کے فضائل و برکات کا احادیث میں بکثرت ذکر ہے مسلمان قوم کی بے راہ روی دیکھیں کہ اس شب مبارکہ میں لاتعداد بدعات کا ارتکاب فخریہ انداز سے کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی علیہ الرحمۃ نے انتہائی سلیس اور سلجھے ہوئے انداز میں یہ رسالہ ترتیب دیا جس میں فضائل و برکات اور بدعات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس طرح ایک اہم معاملہ میں مسلمان قوم کی رہنمائی کی گئی ہے۔

ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور سے یہ رسالہ محض ۸۰ پیسے میں دستیاب ہے۔ اہل خیر اگر اس کو زیادہ سے زیادہ خرید کر تقسیم کر سکیں تو یہ بہت بڑی بھلائی ہو گی۔

صحابہ کبار حضرت علیؓ کی نظر میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علیہم الرضوان درسگاہ نبوت کے فیض یافتہ اور رشد و ہدایت کے ستارے تھے۔ قرآن کریم نے دشمنوں کے معاملہ میں ان کی "سختی" اور اپنوں کے معاملہ میں "نرمی" کا اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ لیکن یہودیانہ سازش کا شکار کچھ لوگوں نے ان کی باہمی لڑائی کے افسانے اس انداز سے شائع کیے اور پھیلائے کہ توبہ بھلی!

تاہم ہر دور میں قدرت نے اس قسم کے لوگ پیدا کیے۔ جنہوں نے اس بے بنیاد پروپیگنڈا کے کے لیے اپنی سی سعی کی اور خلق خدا کے سامنے حقائق کو پیش کیا۔

زیر تبصرہ رسالہ منشی عبدالرحمٰن خان ملتانی کی کاوش کا نتیجہ ہے مضمون نام سے ظاہر ہے۔ رسالہ کی ترتیب میں اچھی خاصی محنت کی گئی ہے اور متعدد ضمنی ابحاث کے ذریعہ مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے "اتحاد و اتفاق" کی شدید ضرورت آج ہر کوئی محسوس کرتا ہے۔ اس ضرورت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس قسم کا لٹریچر بڑا مؤثر ثابت ہو گا۔

جاوید اکیڈمی چہلیک ملتان سے پانچ روپے میں یہ کتاب دستیاب ہے۔ صفحات ۱۱۶ کتابت طباعت مناسب ٹائیٹل خوبصورت!

حقیقت اشتراکیت

اسلامی مشن سنت نگر لاہور اس سے قبل ایک رسالہ "اسلام اور کمیونزم" کے نام سے شائع کر چکا ہے۔ جس کی اچھی خاصی پذیرائی ہوئی! اب یہ دوسرا رسالہ سامنے آیا ہے نام سے ظاہر ہے کہ کمیونزم کی اصلیت بتلائی گئی ہے۔ یہودی سرمایہ داروں نے معاشیات پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لیے جو ہمہ رنگ زمین جال بچھایا۔ اس کی قلعی اچھے انداز میں کھولی گئی ہے۔

صاحب درد مسلمانوں کا ادارہ سے تعاون بڑا ضروری ہے تاکہ اس قسم کا ہلکا پھلکا لٹریچر زیادہ سے زیادہ شائع اور تقسیم ہو سکے۔ ہم اس اچھی کاوش پر ادارہ کو مبارک دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پمفلٹ مفت دستیاب ہے یا "قیمتاً"؟ اور قیمت ہے تو کتنی؟ ادارہ سے رابطہ قائم کریں۔

(اسعد رحمانی)